امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب
پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، حکایات اہل دل
■ یادوں کے چراغ کتابوں کی دنیا
■ ہماری بے وزنی کے اسباب
■ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل
■ کامیاب زندگی کا راز
■ موبائل کے مثبت ومنفی اثرات
■ ملی سرگرمیاں، طب وصحت، ہفتہ رفتہ

جلد نمبر 61/71 — مورخہ ۱۹؍صفر المظفر ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۷؍ستمبر ۲۰۲۱ء روز سوموار — شمارہ نمبر 38

دستور امارت شرعیہ میں اوصاف امیر شریعت

بین السطور

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

امارت شرعیہ کے دستور کا خاکہ سب سے پہلے بانی امارت شرعیہ ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجادؒ نے بنایا تھا، اس خاکہ میں امارت شرعیہ کے مقاصد، نصب وعزل امیر کے اصول وضوابط، قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کیے گئے تھے، انہوں نے اس دستور میں امیر شریعت کے انتخاب کے لیے ارباب حل وعقد کی ایک مجلس بنام ''مجلس ملی'' بنانے کی بات بھی کہی تھی، لیکن حضرت کی زندگی میں دستور کا کام مکمل نہیں ہوسکا، ۱۹۵۷ء میں جب حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ چوتھے امیر شریعت منتخب ہوئے تو انہوں نے اس طرف توجہ دی، اور مجلس شوری کے مختلف اجلاس میں دستور کی دفعات پر بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر ۱۹۶۶ء میں انہیں کے دور میں دستور کا مسودہ مرتب ہوگیا، لیکن مجلس شوری سے منظوری کا کام برسوں التوا میں رہا اور حضرت امیر شریعت ۷؍مارچ ۱۹۹۱ء میں آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے، حضرت امیر شریعت خامس مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے دور میں ۲۹؍اکتوبر ۱۹۹۵ء کو مجلس شوریٰ نے ایک گیارہ نفری کمیٹی دستور کے کام کو مکمل کرنے کے لیے بنائی، اس کمیٹی نے مجلس شوریٰ میں پیش کی گئی ترمیمات اور انتخاب امیر کے تحت منظور شدہ دفعات کو مسودہ کا حصہ بنا کر اس کام کو مکمل کر دیا، ۲۲؍ستمبر ۱۹۹۶ء کو منعقد مجلس شوریٰ کے اجلاس میں یہ مسودہ پیش ہوا، مکمل دستور کی خواندگی کے بعد مجلس شوریٰ نے منظور کر کے طباعت کی اجازت دیدی، چنانچہ اب یہ دستور مطبوعہ شکل میں موجود ہے اور نافذ العمل ہے، اس دستور کی دفعہ ۱۰؍میں اوصاف امیر کے تحت پانچ باتیں ذکر کی گئی ہیں۔

''۱۔ عالم باعمل ہو یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی اور حقائق کا معتد بہ علم رکھتا ہو، اغراض ومصالح شریعت وفقہ اسلامی وغیرہ سے واقف ہو اور احکام شریعت پر عمل پیرا ہو۔ ۲۔ سیاسیات ہند وسیاسیات عالم اسلامیہ سے واقفیت رکھتا ہو، اور حتی الامکان تجربہ سے اکثر صائب الرائے ثابت ہو چکا ہو۔ ۳۔ ذاتی قابلیت ووجاہت کی وجہ سے عوام وخواص کے اکثر طبقات کی ایک معتد بہ جماعت پر اس کا اثر ہو۔ ۴۔ حق گو، حق شنو، جری اور صاحب عزیمت ہو۔ ۵۔ فقہی تعبیر میں اس کی ذات کو مایزول بہ مقصود الامارۃ سے تعلق نہ ہو''

اس دفعہ کی شق اول میں امیر شریعت کے لازمی اوصاف میں عالم باعمل ہونے کی بات کہی گئی ہے، اس شق کو سمجھنے کے لیے عالم کی تعریف کا جاننا ضروری ہے۔ عالم کے معنی لغت میں جاننے والے کے آتے ہیں، اس کے لغوی معنی میں ایسا عموم ہے کہ کسی بھی طرح کی باتیں جاننے والوں کو عالم کہا جاسکتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، عام بول چال میں عالم کے عمومی معنی متروک ہو چکے ہیں ہر جاننے والے کو کوئی عالم نہیں کہتا، بلکہ اس کا اطلاق کچھ خاص قسم کی صلاحیت رکھنے والے پر ہی ہوتا ہے، گویا عرف عام نے اس لفظ کو لغوی معنی سے نکال کر ایک الگ معنی میں استعمال کرنا شروع کیا، جس کی وجہ سے عالم کی الگ اصطلاح وجود میں آئی، منطق کی اصطلاح میں اسے منقول اصطلاحی کہا جاتا ہے۔ دار العلوم دیوبند نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھا ہے کہ: ''علوم دینیہ کے مخصوص نصاب کو ثقہ اساتذہ سے پڑھ کر فارغ ہونے والے شخص کو عرفا عالم کہا جاتا ہے''۔ (جواب نمبر 16857)

اس فتویٰ میں دو باتیں اہم ہیں، ایک مخصوص نصاب اور دوسرے ثقہ اساتذہ سے اس مخصوص نصاب کی تعلیم کے بعد فراغت، دار العلوم دیوبند کے اس فتویٰ کا حاصل یہی ہے، اس فتویٰ کی رو سے ان کے نزدیک مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا ضروری نہیں، لیکن مخصوص نصاب کا ثقہ اساتذہ سے پڑھ کر تکمیل ضروری ہے۔ یعنی درمیان میں کچھ پڑھ کر تعلیم منقطع کرنے والے کو بھی عالم نہیں کہیں گے۔

دار العلوم دیوبند کے دوسرے فتویٰ میں لکھا ہے کہ دور حاضر کے عرف میں عالم وہ شخص ہے جو قرآن وحدیث کو باقاعدہ پڑھے ہوئے ہو اور قرآن وحدیث کو، اس کے احکام کو براہ راست سمجھتا ہو، جماعت میں نکلنے والا اگر کچھ باتیں دین کی سیکھ لے تو اسے عالم نہیں کہا جائے گا، اسی طرح جس نے محض کتابوں کا مطالعہ کر کے کچھ باتیں سیکھ لیں وہ بھی عالم نہیں کہا جائے گا، جب تک کسی مستند عالم کے پاس یا کسی مستند مدرسہ میں رہ کر تمام علوم آلیہ کو سیکھ کر علوم قرآن اور اس کی تفسیر کو نہ پڑھے اور اسی طرح علم حدیث کو نہ سیکھے تو وہ اہل علم کے یہاں اصطلاحی عالم شمار نہیں کیا جائے گا، عالم کے لیے باقاعدہ تمام علوم کو سات آٹھ سال تک پڑھنا ضروری ہے۔ (فتویٰ 146973، 28 دسمبر ۲۰۱۶ء)

ارشاد الفحول میں علامہ محمد بن علی شوکانی نے عالم ہونے کے لیے پانچ شرطوں کا ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم وہ شخص ہوگا، جو نصوص قرآن وسنت صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں کا عالم ہو، تخریج پر قادر ہو، صحیح اور ضعیف احادیث، لسان عرب، لغات کے معنی اسکی ترکیب کو جانتا ہو، مسائل اجماع کا عارف، ناسخ ومنسوخ کا عالم اور اصول فقہ کا علم رکھتا ہو، کیوں کہ اصول فقہ احکام شرعیہ کے استنباط کی بنیاد ہے۔ (جلد 2 صفحہ 303-297)

عالم کے اسی اصطلاح اور عرف کی وجہ سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بارے میں ان کی علمی عبقریت وعظمت کے باوجود ترجمان جلد 14 شمارہ 3 صفحہ 227 کے حوالہ سے فتاویٰ محمودیہ میں ان کا اقرار نقل کیا ہے کہ ''مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے، میں ایک بیچ کی راہ کا آدمی ہوں جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہ ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے، دونوں کوچوں کو خوب چل پھر کر دیکھا ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱؍۳۶۷)

اسی عرف کی وجہ سے یونیورسٹی کے شعبہ مطالعات اسلامی (اسلامک اسٹڈیز) سے فارغ ہونے والے کو بھی عالم نہیں کہا جاتا، ان کے لیے عرف میں اسلامک اسکالر کا لفظ مستعمل ہے، عام طور پر نہ تو ان کو عالم سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی انہیں مقتدیٰ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، الا یہ کہ وہاں جانے کے پہلے انہوں نے کسی دینی تعلیمی ادارے سے متعینہ نصاب کی تکمیل کی ہو۔ دار العلوم دیوبند ہی کے ایک فتویٰ 255-278/N=4/1441 میں لکھا ہے کہ ''جانتے ہوئے کسی غیر عالم کو عالم، غیر حافظ کو حافظ یا غیر مفتی کو مفتی کہنا درست نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص لاعلمی میں یا دوسروں کی دیکھا دیکھی کہتا ہے تو اسے حقیقت بتادی جائے۔'' ایک اور فتویٰ دار العلوم دیوبند کا ہے جس میں لکھا ہے کہ عالمیت کا کورس پڑھے بغیر اپنے آپ کو عالم کہنا درست نہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فتاویٰ ندوۃ العلماء میں مذکور ہے کہ ''جو شخص باقاعدہ کسی دینی درسگاہ یا کسی عالم دین سے علم حاصل نہیں کیا ہو، انہیں عالم کے لقب سے پکارنا درست نہیں ہے اور نہ ہی اپنے کو عالم کہلانا درست ہے''۔

ایک اور طبقہ ہے جس نے کسی مدرسہ میں پڑھے بغیر بورڈ سے صرف عالم فاضل کی سند حاصل کی ہے، عرف میں وہ بھی عالم نہیں سمجھا جاتا کیوں کہ ان کی نصابی تعلیم نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ ذریعہ معاش کے حصول کے لیے امتحان دے کر سند حاصل کر لیتے ہیں، اس لیے عرف عام انہیں عالم ماننے کو تیار نہیں، یہ بات آج کے پس منظر میں کہی جارہی ہے، ماضی میں بورڈ کے مدارس کے فارغین کی حیثیت بھی عالم کی ہوتی تھی، بھلا حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ امیر شریعت خامس کے عالم باعمل ہونے سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔

عالم باعمل کے بعد اس اجمال کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے معانی اور حقائق سے بھی واقفیت رکھتا ہو، معتد بہ کا لفظ اکثر حصہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اقل کے لیے نہیں، یعنی کسی کے پاس علم ہو لیکن قرآن واحادیث کا علم بنیادی دینی تعلیم تک محدود ہو تو سندی عالم ہونے کے باوجود وہ امیر شریعت بننے کا اہل نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کے پاس قرآن واحادیث کا معتد بہ علم نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی ایسا شخص ہو جس نے علوم دینیہ حاصل ہی نہیں کیا تو وہ بھی امیر شریعت بننے کا اہل دستور کے مطابق نہیں ہوگا، اغراض ومصالح شریعت کی واقفیت کی قید لگا کر اسے اور پختہ کیا گیا، ظاہر ہے تھوڑے بہت دینی علوم کی واقفیت سے اغراض ومصالح شریعت تک رسائی نہیں ہوسکتی، اس کے لیے امام غزالی کی احیاء العلوم، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ کے سمجھنے اور اس سے مسائل کے اخذ واستنباط کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے، جو اسرار وحکم شریعت کی نمائندہ کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

علم کا وافر حصہ پایا ہو لیکن بدعملی اور بے عملی کا شکار ہو تو وہ بھی امیر شریعت نہیں بن سکتا، کیوں کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح ضروری ہے، قرآن کریم میں ایمان اور عمل صالح کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ عمل صالح کے بغیر علم شرعی بھی اس کے کام کا نہیں ہے، یہ معاملہ بے عملی کی صورت میں ہے اور اگر معاملہ بدعملی کا ہو اور اس قدر بدعملی آگئی ہو کہ وہ ''محارم متفق علیہا'' کا ارتکاب کرنے لگے، کفریہ اعمال کرتا ہو، اور یہ محض ظنی نہیں، یقینی ہو تو دفعہ ۱۴؍ کے تحت وہ معزول کر دیا جائے گا، اور بعض حالتوں میں خود سے معزول ہوجائے گا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ لفظ عالم کا استعمال کیا گیا، مولانا کا نہیں، اس لیے کہ مولانا صرف عالم پر ہی نہیں عرف عام میں غیر عالم پر بھی بولا جاتا ہے، مذہبی معلومات کے ساتھ وضع قطع اسلامی انداز کی ہو، لانبا کرتا، ٹخنہ سے اوپر پاجامہ اور چہرے پر ڈاڑھی کے ساتھ وعظ وخطابت دعوت وتبلیغ اور اسلامی افکار واقدار کی ترویج واشاعت سے جو جڑ گیا اور بادی النظر میں خلاف شرع کام کرنے والا نہ ہو تو اسے مولانا صاحب کہتے ہیں، یہ بھی ایک عرف ہے، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا شفیع داؤدی، مولانا مظہر الحق وغیرہ کے نام کے ساتھ اسی عمومی معنی کے اعتبار سے مولانا لگاتے ہیں، حالاں کہ ان حضرات کی تعلیم کسی درسگاہ اسلامی میں نہیں ہوئی تھی، اس کے لیے کسی درس نظامی کا فارغ ہونا ضروری نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت میں کثرت سے ایسے افراد مل جائیں گے جو کہیں کے تعلیم یافتہ نہیں ہیں، لیکن ان کی عالمانہ وضع قطع اور دعوت وتبلیغ سے جڑے ہونے کی وجہ سے ناواقف لوگ انہیں مولانا کہا کرتے ہیں، (بقیہ صفحہ ۱۴؍پر)

Scanned with CamScanner

اللہ کی باتیں ــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

بچوں کومہذب وشائستہ بنایئے:

"وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ" اوراپنے قریبی رشتہ داروں کواللہ کے عذاب سے ڈرایئے'' (سورہ شعراء:۲۱۴)

مطلب: جب نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پرنبوت ورسالت کا تاج رکھا گیاتو رب کائنات نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکرفرمایا کہ اے نبی سب سے پہلے اپنے خاندان والوں اوررشتہ داروں کے دین واخلاق اورایمان وعقیدہ کی اصلاح پرتوجہ دیجئے، ان کی اسلامی طریقہ پر ذہن سازی کیجئے اور انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایئے، گویا اللہ رب العزت نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ عمل کے بغیر آخرت میں رشتہ داریاں کام نہیں آئیں گی، وہاں اپنے عمل وکرداراور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی سے نجات مل سکے گی، اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہرمومن بندہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھراوراولاد کوشریعت وسنت کے سانچے میں ڈھالے، ان کی اسلامی خطوط پر پرورش وپرداخت کرے، گندی اور بری عادتوں سے باز رکھے، تاکہ وہ نیک وصالح بن کر باوقار زندگی گذار سکے، بچوں کی اصلاح وتربیت کے مختلف مراحل ہیں، نوعمر بچوں کے ساتھ پیارومحبت اورالفت وشفقت کا معاملہ کرےاور بوقت ضرورت ہلکی تنبیہ وتادیب بھی کرے، لیکن بے رحمانہ طریقہ سے زدوکوب نہ کرے، ہمت افزائی کے لئے ترغیبی انعامات بھی دے، ہاں اگر یہ بچہ جب بلوغیت کی دہلیز پرقدم جمائے تو اس کوزندگی کے نشیب وفراز اور نفع ونقصان کومثالوں سے سمجھایئے، فسق وفجور سے دور رہنے کی تلقین کیجئے اور بری صحبتوں، برے ساتھیوں اورآوارہ گردلڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کرے، دینی تعلیم کے لئے مکتب یامدرسہ بھیجئے، اگر باز نہ آئے توزجروتوبیخ کیجئے، مگراس کا پاس ولحاظ رکھے کہ اس کے دل میں کدورت پیدانہ ہو، اگروالدین نے ان بنیادی باتوں کی طرف توجہ نہ دی تو وہ بھی مجرمانہ طبیعتوں کی طرف مائل ہوجائے گا، پھر یہ ہوگا کہ ہرقسم کی بے حیائی اورگمراہی کواختیار کریں گے اور بڑے ہوجائیں گے اس کوراہ راست پرلانا دشوار ہو جائے گا، آخرکوئی وجہ تو ہے کہ آج ہماری بچیاں بے راہ روی کی کیوں شکار ہورہی ہیں، ان کا اجنبی لڑکوں سے دوستی، میل جول اوراختلاط سے ان کے اخلاق واعمال تباہ ہورہے ہیں، سوشل میڈیا اور پرنٹ میڈیا میں ایسی خبریں پڑھنے کوبرابرمل رہی ہیں کہ فلاں جگہ کی مسلم لڑکی، فلاں غیرمسلم لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی، اس نے مذہب تبدیل کرکے اس سے شادی بھی رچالی، اس نازیباعمل پرہم سب کومحاسبہ کرنا چاہئے کہ کیاتربیت کے فقدان نے اس بچی کواس غیرمہذب اورناشائستہ حرکت پرآمادہ تونہیں کردیا، اگرگھر کا ماحول اورگھر کی تربیت صالح اقدار کی بنیاد پر ہوگا تو یقین مانئے کہ ہمارے بچے کسی خارجی فتنوں کے شکارنہیں ہوں گے، دعاء ہے کہ اللہ ہمیں فکرمندی کے ساتھ اولاد کی تربیت کی توفیق بخشے۔آمین

تکبروہ بری شئی ہے جوخودٹوٹ جاتاہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر کبروغرورہوگا-اوروہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابرایمان ہوگا'' (ترمذی شریف)

وضاحت: خود پسندی اورخودرائی ایک ایسی بری خصلت ہے جس سے انسان کی دینی ودنیاوی ترقیوں کی راہیں مسدوداورسعادت اوراقبال کا دروازہ اس پر بند ہوجاتا ہے، کیونکہ اپنے کودوسروں سے بڑاتصور کرنے والےاور دوسروں کوحقیرسمجھنے والےلوگ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں، وہ دوسروں سے منہ پھیر کر بات کرتے ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ان کے سامنے ہاتھ باندھ کرکھڑے رہیں، لوگ اس کو پہلے سلام کریں، آداب بجالائیں غرضیکہ اس کے اثرات ونتائج ہزاروں صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اسی بنیاد پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی غرورہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، قرآن مجید میں نہایت شدت سے ان لوگوں کی برائی بیان کی ہے جوکبروغرور کرتے ہیں، ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے مغروراور فخارمیری محبت سے محروم رہیں گے:"إن الله لايحب من كان مختالا فخوراً" (نساء) "إنه لايحب المستكبرين" اللہ غرورکرنے والوں کوپسند نہیں کرتا، حتی کہ اس کوجہنم کی خوشخبری دی:"فبئس مثوى للمتكبرين" مغروروں کاٹھکانا جہنم ہے، امام غزالیؒ نے ایک جگہ لکھاہے کہ مسلمانوں کے جومخصوص اخلاق ہیں وہی جنت کادروازہ ہیں اورغروران تمام دروازہ کوبند کردیتا ہے، اس لئے جس شخص کے دل میں ذرہ برابربھی غرور ہوگا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، یعنی دنیا کی طرح آخرت میں بھی مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے گا، اس لئے اکثر یہی دیکھا گیا کہ متکبراورمغرورلوگوں سے عوام ملنا جلنا چھوڑدیتے ہیں کیونکہ عام طور پرمغرورانسانوں کواپنے حسب ونسب، حسن وجمال، مال ودولت، جاہ ومنصب اورافرادی قوت پرناز ہوتاہے، حالانکہ ان میں سے کوئی چیزانسان کی عظمت کی بنیادنہیں ہے اللہ کےنزدیک سب سے زیادہ افضل وبرتروہ شخص ہے جواللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے: "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" (الحجرات) اللہ کےنزدیک تم میں بڑاشریف وہی ہے جوتم میں بڑا پرہیزگار ہے، بندوں کی بندگی کی شان اس میں ہے کہ وہ تواضع وخاکساری اختیارکرے، عاجزی اورفروتنی برتے تاکہ معاشرتی زندگی میں خوشگوار لطافت پیداہواورانسان کاوقارواعتبار بلندترہو، اگرہم ان اخلاقی پہلوؤں پرتوجہ دیں گےتومعاشرہ امن وسکون کاگوارہ ہوگااور ہرایک کےدرمیان آپسی تعلقات بہترہوں گے۔

حباب بحر کو دیکھ کہ کیسے سر اٹھاتا ہے
تکبر وہ بری شی ہے کہ جو خود ٹوٹ جاتا ہے

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

غیرمسلم کے ہاتھ غیرمسلم ملازم کے ذریعہ مرغی ذبح کرواکر بیچنا:

س: زیدمرغے کے گوشت کا کاروبارکرتاہے، اس کی دکان سے مسلم وغیرمسلم دونوں گوشت خریدتے ہیں، غیرمسلم لوگ جھٹکے سے ذبح کیا ہوامرغا زیادہ پسند کرتے ہیں اس کیلئے زید نے غیرمسلم ملازم کورکھا ہےاورمسلمان گراہک کیلئے مسلمان ملازم، اب سوال یہ ہے کہ زید کیلئے غیرمسلم ملازم کے ذریعہ جھٹکے سے ذبح کیاہوامرغے کے گوشت کی آمدنی جائز ہے؟

ج: ذبیحہ کےحلال وپاک ہونے کیلئے صاحب ایمان کا جانورکواللہ کا نام لےکر(بسم الله اكبر کہہ کر) ذبح کرناضروری ہے، ورنہ جانورمیتۃ (مردار) کےحکم میں ہوکرحرام ہوجائے گااوراس کی خریدوفروخت ناجائز ہوگی۔لہذا صورت مسئولہ میں جھٹکے سے ذبح کیاہوامرغے کا گوشت حرام اورمیتۃ کےحکم میں ہے، ایسے گوشت کاکسی غیرمسلم سے بھی فروخت کرنااوراس کی آمدنی حاصل کرناشرعاجائزنہیں ہے، اس سے مکمل طورپر بچنالازم وضروری ہے:

"لقوله تعالىٰ: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ الخ" (سورة البقرة: ۱۷۳)

"ومعلوم ان ذبائح العجم وهو مجوس ميتة" (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۲۲۱)

"وقال النبى صلى الله عليه وسلم: ان الله تعالىٰ اذا حرم شيئاً حرم ثمنه" (دار قطنى: ۲۸۱۵)

مری ہوئی مرغی غیرمسلم کے ہاتھ فروخت کرنا:

س: زیدمرغی کا کاروبارکرتاہے بعض دفعہ مرغیاں لانے میں دوچارمرجاتی ہے، جس کوغیرمسلم کم قیمت میں خریدلیتے ہیں کیااس کافروخت کرنادرست ہے؟

ج: مری ہوئی مرغی کودفن کردیناچاہئے، اس کوغیرمسلم کے ہاتھ فروخت کرنااوراس سے آمدنی حاصل کرناناجائز وحرام ہے، اس سے بچنانہایت ضروری ہے:"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ الخ" (سورة المائدة:۳)

مری ہوئی مرغی کاگوشت مچھلی کوکھلانا:

س: زیدمرغی اورمچھلی دونوں کا کاروبارکئے ہواہے، مچھلی پالتاہے جومرغی مرجاتی ہےاس کاگوشت مچھلیوں کوکھلاتاہے، شرعاًدرست ہےیانہیں، ایسی مچھلیاں کھاناجائز ہےیانہیں؟

ج: مچھلیوں کوبھی پاک وصاف غذاکھلانی چاہئے جان بوجھ کرمری ہوئی مرغی کاگوشت کھلانامکروہ تحریمی ہے، اس سے بچناچاہئے، تاہم ایسی مچھلیوں کاکھاناناجائز وحرام نہیں ہوگا:"ولا تعلف اليها ئم النجاسات ولاتطعم الميتة الكلاب والسباع وان اكلتها لم تمنع" (الجامع لاحكام القرآن: ۲/۲۱۸)۔فقط

مرغی ذبح کرنے کے بعدگرم پانی میں ڈالنا:

س: بعض دکاندارمرغی ذبح کرنے کے بعد پیٹ کی آلائش نکالےبغیرمرغی کوکھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں پھراس کے بال وپرکوصاف کرتے ہیں، اس طرح کرنا شرعادرست ہے یانہیں؟ اورایسے گوشت کا استعمال جائز ہےیانہیں؟

ج: مرغی ذبح کرنے کے بعداس کے پیٹ سے انتڑیاں وغیرہ نکالےبغیرکھولتے ہوئے گرم پانی میں اگراتنی دیرچھوڑ دی جائے جس سے پیٹ کی نجاست گوشت میں سرایت کرجانے کاظن غالب ہوتوایسی صورت میں گوشت ناپاک ہو جاتاہےاوروہ دھونے سے بھی پاک نہیں ہوتا ایسے گوشت کا کھاناجائزنہیں ہے، اس لئے اس عمل سے احترازلازم وضروری ہے، البتہ اگرپانی گرم ہومگرکھول نہ رہاہواورمرغی اس میں بہت دیرتک نہ رکھی جائے یاکھولتے ہوئے پانی میں ڈال کرفورانکال لی جائے (گرم پانی کااثرصرف اس کی کھال تک ہوجس سے اس کے مسامات کھل جائیں اورصاف کرنے میں آسانی ہو) توایسی صورت میں تین دفعہ دھونے سے گوشت پاک ہوجائے گا۔

"(وعلى هذا الدجاج الخ) يعنى لو القيت دجاجة حال غليان الماء قبل أن يشق بطنها لنتف أو كرش قبل أن يغسل إن وصل الماء الى حد الغليان ومكثت فيه بعد ذالک زمانا يقع فى مثله التشرب والدخول فى باطن اللحم لاتطهر ابدا الا عند ابى يوسف كما مر فى اللحم وان لم يصل الماء الى حد الغليان او لم يترک فيه مقدار ماتصل الحرارة الى سطح الجلد لانحلال مسام السطح عن الريش والصوف تطهر بالغسل ثلاثا كما حققه الكمال" (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۸۶)

بہتر یہ ہے کہ گرم پانی میں مرغیاں نہ ڈالی جائیں تاکہ کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ ہو، کیونکہ مرغیوں میں ناپاکی بھی لگی ہوتی ہےاورایک برتن میں پانی بدلےبغیرکئی مرغیوں کوڈالا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے مرغیاں ناپاک ہوجاتی ہیں، جس کوپاک کرنے کیلئے تین باردھوناضروری ہوگا۔

مرغی کوآگ میں جھلسانا:

س: بعض دفعہ مرغی کابال وپرصاف کردینے کے بعداس کے چھوٹے چھوٹے روئیں کوصاف کرنے کیلئے ہلکی آگ میں جھلسایاجاتاہے، شرعادرست ہےیانہیں؟

ج: صورت مسئولہ میں اگرمعمولی طورپرجھلسادیاجائے جس کااثرصرف چمڑی تک رہےاندرنجاست تک اس کااثرنہ جائےتوبلاکراہت شرعاجائزودرست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ بال وپرصاف کردینے کے بعدپیٹ چیرکرآنت وغیرہ نکال لیاجائے، پھرجھلسایاجائے تاکہ کسی طرح کاکوئی شک وشبہ نہ رہے۔والله اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار

نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 61/71 شمارہ نمبر 38 مورخہ ۱۹ر صفر المظفر ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۷ر ستمبر ۲۰۲۱ء روز سوموار

منفی احساس وخیالات سے بچیے

منفی احساس وخیالات ہمیں نفسیاتی طور پر کمزور اور جسمانی طور پر بیمار بنا دیتے ہیں، اس لیے ہمیں اس سے دور رہنا چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہی آپ کو غصہ آوے، مزاج میں چڑ چڑا پن پیدا ہو، ذہن ودماغ پر مایوسی کا غلبہ ہو تو پُرسکون ہونے کی کوشش کریں، گہری سانسیں لیں، ضرورت محسوس ہو تو پانی کی چھینٹیں چہرے پر ڈالیں، پُرسکون ہونے کے لیے کوئی خاص طریقہ نہیں ہے، اپنی نفسیات کے اعتبار سے کسی بھی طریقہ کا انتخاب کرلیں، بعض لوگ ٹہل کر پُرسکون ہوتے ہیں اور بعض لوگ جگہ کی تبدیلی سے بھی اپنے احساسات وخیالات کو مثبت رخ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، جب بھی منفی خیالات دل ودماغ میں پرورش پانے لگیں سر کو ایک طرف جھٹکئے اور کہیے کہ ''میں تو ایسا نہیں ہوں''، یا مجھے اس قسم کے خیالات سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے، اس قسم کی خود کلامی بھی آپ کی سوچ کو دوسرا رخ دینے میں معاون ہوگی، دوسروں کے بارے میں کچھ بولتے وقت بھی یہ خیال رکھیے کہ اس سے منفی اثرات پیدا نہ ہوں، آپ جو کچھ جذبات میں دوسروں کو بولتے ہیں، اس کا پہلا اور منفی اثر خود آپ کی ذات پر پڑتا ہے، جس کی وجہ سے آپ کی نفسیات کو نقصان پہونچتا ہے، ہمیشہ اچھا بولیں، اچھا سوچیں اور اچھے خیالات کے ساتھ زندگی گذاریں، اس سے آپ کے منفی احساسات وخیالات ختم نہیں تو کم ضرور ہو جائیں گے، اگر آپ کی سوچ یہ بنتی ہے کہ مجھے اس شخص، اس کام یا اس کے طریقۂ کار سے نفرت ہے، اس کو اس طرح بدلیے کہ میں اس کے مقابل کچھ بہتر کرنے کی پوزیشن میں ہوں اور میں ایسا کر سکتا ہوں۔

جو حالات آپ کے موافق نہیں ہیں، ان کو موافق بنانے کے لیے مسلسل سوچتے رہیے، صوفیاء کے یہاں مراقبہ کی اہمیت اسی لیے ہے کہ انسان آخرت کو ٹھیک کرنے اور اللہ کی رضاء کے حصول کے لیے مسلسل فکر کرتا ہے، امیر شریعت سابع مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ ہم لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ فرصت کے ایام میں بھی دماغ کو خالی مت چھوڑیے، امارت کی ترقی کے لیے مسلسل غور وفکر کرتے رہیے، بلکہ انہوں نے کارکنوں کے درمیان ایک چھوٹی ڈائری بھی تقسیم کروائی تھی کہ اس سوچ کا جو نتیجہ سامنے آئے، اسے قلم بند کیجئے، ہر وقت لگے رہیے، واقعہ یہی ہے کہ اگر آپ نے مثبت انداز میں سوچنا بند کر دیا تو ذہن میں خرافات آنے لگیں گے اور جو مشہور ہے کہ ''خانہ خالی دیوی گیرد'' کے مصداق انسان بن جائے گا۔

غصہ سے بھی انسان منفی سوچ کی طرف بڑھتا ہے، جس شخص پر غصہ آ رہا ہے اس کو شکست دینے اور پریشان کرنے کے منصوبے میں سارا وقت برباد ہو جاتا ہے، اس سے دل ودماغ میں مثبت سوچ کی صلاحیت کم ہوتی ہے، آپ کے منفی منصوبے اس شخص کو نقصان پہونچا سکیں گے یہ ایک موہوم بات ہے ہوسکتا ہے نقصان پہونچ جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی تدبیر کارگر نہ ہو، لیکن اس طرز عمل سے آپ کا نقصان یقینی ہے، اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ بڑا پہلوان وہ ہے جو غصے کو پچھاڑ دے، قرآن کریم میں بھی الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کہہ کر غصہ کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کرنے کی اہمیت بتائی گئی ہے، اور اسے احسان میں شامل کر کے اللہ نے اعلان کر دیا کہ وہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

ہماری سوچ اور فکر پر ہم نشینوں کے بھی اثرات پڑتے ہیں، اچھے کی صحبت اچھا بناتی ہے اور بُروں کی صحبت برا بنا کر چھوڑتی ہے، عطر کی دوکان میں بیٹھنے والا عطر نہ خریدے تو بھی بدن پر خوشبو کے اثرات لے کر واپس ہوتا ہے، اور کوئلہ کی کان میں جانے والا کوئلہ نہ بھی چھوئے تو بھی اس کے کپڑوں پر کوئلہ کی سیاہی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے کہا گیا ہے کہ آدمی کی پہچان اس کی ذات سے نہیں، ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں سے ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اپنی سوچ کو درست رکھنے کے لئے مثبت سوچ والوں کے ساتھ بیٹھیے، وہ لوگ جو ہر وقت منہہ بسورے اور تناؤ کی کیفیت میں ہوتے ہیں، وہ آپ کو بھی تناؤ کی دنیا میں پہونچا دیں گے، اس لیے قرآن کریم کی اس آیت کو زندگی کا نصب العین بنائیے کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو، یہ سچے لوگ آپ کی سوچ کو مثبت رکھنے، آخرت کی فکر کرنے اور زندگی کو راہ راست پر رکھنے میں معاون ہوں گے۔

انتخاب امیر شریعت ثامن

بیش تر ارکان شوریٰ، ارکان ٹرسٹی، ارکان عاملہ کے فیصلے اور تائید نیز حضرت نائب امیر شریعت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی کی اجازت، منظوری اور توثیق کے بعد آٹھویں امیر شریعت کے انتخاب کے لیے ۱۰ر اکتوبر ۲۰۲۱ء کی تاریخ طے ہوگئی ہے، مجلس ارباب حل وعقد کے معزز ارکان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اس تاریخ میں المعہد العالی، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ تشریف لا کر امیر شریعت کے انتخاب میں اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں اور امارت شرعیہ کے لیے ایسے امیر کا انتخاب کریں جو دستور میں دیے گئے اوصاف امیر شریعت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو۔ ایسے امیر شریعت کے انتخاب سے ہی ادارہ کا تحفظ اور اس کے وقار میں اضافہ ہوگا، فیصلے میں صرف اور صرف امارت شرعیہ کا مفاد سامنے ہو، عہدے کی ہوس، لابنگ اور کسی کے حق میں بھی چلائی گئی مہم سے بغیر متاثر ہوئے مجلس ارباب حل وعقد کے ارکان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں، یاد رکھیے کبھی لمحوں کی خطا سے صدیوں تک سزا کا سلسلہ دراز ہو جاتا ہے، کسی شاعر کا مصرعہ ہے

لمحوں نے خطا کی ہے، صدیوں نے سزا پائی

فیصلے یقیناً من جانب اللہ ہوتے ہیں، لیکن بندوں سے مشیت ایزدی اور فیصلہ ربانی کو پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لیے اسباب کے درجہ میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے اور دستور کے مندرجات کی روشنی میں امیر شریعت ثامن کا انتخاب کرنا چاہیے، ہمیں یقین ہے کہ بڑوں کے خلوص، ان کی دعاء نیم شبی اور آہ سحر گاہی کے اثرات بھی اس موقع سے سامنے آئیں گے، اور ہم کسی ایسے امیر کا انتخاب کرنے میں یقیناً کامیاب ہوں گے جو امارت شرعیہ کو بام عروج پر لے جانے کا کام کرے گا، اور لوگوں کی توقعات پر پورا اترے گا۔

دم توڑتی انسانیت

چین کے سنکیانگ میں ایغور مسلمانوں پر جس قدر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، یہ صراحتاً حقوق انسانی کی سنگین خلاف ورزی ہے، ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق دس لاکھ سے زائد ایغور اور دیگر مسلم اقلیتوں کو حراستی کیمپوں میں رکھا گیا ہے، جن سے جبری مشقت والے کام کرائے جا رہے ہیں، جو کیمپوں سے باہر ہیں ان کی کڑی نگرانی رکھی جا رہی ہے اور ایسے احوال پیدا کیے جا رہے ہیں کہ وہ اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں، روس میں کمیونسٹ دور حکومت میں لوگوں کو اپنے عقائد ونظریات بدلنے اور دماغی تطہیر کے لیے بزعم خود ''اصلاحی مرکز'' میں ڈال دیا جاتا تھا، یہی حال چین کا ہے، اس نے بھی اس کام کے لیے ''اصلاحی مرکز'' قائم کر رکھا ہے، جہاں مسلمانوں کو ان کے معتقدات چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

اقوام متحدہ ۲۰۱۸ء سے وہاں کے حالات پر کام کر رہا ہے، اس کام میں نسلی امتیاز کے خاتمے کی کمیٹی اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کونسل کے ماہرین شامل ہیں، کمیٹی کے شرکاء کا بیان ہے کہ سنکیانگ میں حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والی کسی ٹیم کو آزادانہ آمد ورفت اور تحقیق وتفتیش کی اجازت چین نہیں دیتا، جس کی وجہ سے موقع پر جا کر جائزہ لینا ممکن نہیں ہو رہا ہے، اور عوام کے سامنے صحیح صورت حال پورے طور پر سامنے نہیں آپا رہی ہے، یو ان او ہائی کمشنر کا چین کا دورہ آخری بار ۲۰۰۵ء میں ہوا تھا اس کے بعد چین کی جانب سے اجازت ہی نہیں ملی کہ وہ قدم آگے بڑھائے، ۲۰۱۸ء میں چین سے ایغور مسلمانوں کی حالت زار کے جائزہ کے لیے اجازت مانگی گئی تھی جو ابھی تک زیر غور ہے، اقوام متحدہ کو اس سلسلے میں اپنی کوششیں تیز تر کرنی چاہیے تاکہ ایغور مسلمانوں کو انصاف مل سکے اور نسلی امتیاز کی وجہ سے جو مشقتیں انہیں جھیلنی پڑ رہی ہیں، اس سے وہ باہر آسکیں۔

ایمبولنس کا غلط استعمال

بھاجپا کے ممبر پارلیامنٹ راجیو پرساد روڑھی کے ذریعہ سرکاری ایمبولنس کے غلط استعمال کے راز کو پپو یادو نے فاش کیا تھا اور دنیا کو بتایا تھا کہ سرکاری فنڈ سے خریدے گیے ایمبولنس کورونا کے دور میں ان کے فارم ہاؤس پر گھر کے پیچھے چھپا کر رکھے گئے ہیں اور ان کا استعمال بالو ڈھونے میں کیا جا رہا ہے، جب کہ مریضوں کو لانے لے جانے کے لیے ایمبولنس کی اس زمانہ میں سخت ضرورت تھی، اس راز کے فاش ہونے کے بعد ایک پرانے کیس میں جس میں پپو یادو کی ضمانت رد ہو گئی تھی، گرفتار کر کے انہیں جیل بھیج دیا گیا، اور ان کی گرتی صحت کا بھی خیال نہیں رکھا گیا تھا۔

اس واقعہ سے راجیو پرساد روڑھی اور ان کے متعلقین نے کوئی سبق نہیں لیا، اب کہ جو معاملہ سامنے آیا ہے اس میں راجیو پرساد کے فنڈ سے فراہم ایمبولنس میں شراب کی سپلائی کی جا رہی تھی، سارن پولیس نے چھاپہ مار کر دوسو اسی لیٹر شراب ایمبولنس سے ضبط کیا، ڈرائیور راکیش رائے تو گرفتار ہو گیا، لیکن اصل مجرم جن کی تعداد دو تھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

بھاجپا سنسد کے مطابق یہ ایمبولنس کوٹوا پٹی رامپور پنچایت کے مکھیا کے ذریعہ چلایا جا رہا تھا، یہ غلط استعمال کا معاملہ ہے، بھاجپا سنسد نے اس کام کے لیے پولیس کا شکریہ ادا کیا ہے، استعمال کسی کے ذریعہ ہو رہا ہو یہ سرکاری چیزوں کے غلط استعمال کی بدترین مثال ہے۔ مجرم کوئی بھی ہو سرکار کو اس سلسلے میں سخت کارروائی کرنی چاہیے؛ تاکہ اس قسم کے معاملات کو روکا جا سکے۔

بہار میں جرائم

نیشنل کرائم رکارڈ بیورو نے ۲۰۲۰ء میں بہار میں ہونے والے جرائم کے رکارڈ کو عام کیا ہے، ان میں اغوا کے سات ہزار آٹھ سو نواسی (۷۸۸۹) معاملات ہیں، جن میں جبریہ شادی کے لیے اغوا کے پانچ ہزار تین سو آٹھ کیس شامل ہیں، مال وصولنے (پھروتی) کی غرض سے بیالیس (۴۲) اور قتل کی نیت سے اغوا کے چھیاسٹھ (٦٦) معاملات درج ہوئے۔ آبروریزی کے آٹھ سو چھ معاملات اور اس کام کی کوشش کے انہتر (٦٩) معاملات کا ذکر کرائم بیورو نے کیا ہے، عورتوں سے پبلک ٹرانسپورٹ میں چھیڑ خانی کے ساٹھ (٦٠) اور بدسلوکی کے چار سو (۴۰۰) معاملات رکارڈ ہوئے۔ یہ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ بڑی محنت کے باوجود بہار میں اب تک جرائم پر قابو نہیں پایا جا سکا، یہ ایک اچھی بات ہے کہ ہمارے یہاں ملک کی دوسری ریاستوں کی بہ نسبت جرائم کم ہوئے ہیں، لیکن نتیش سرکار سے یہ امید کی جاتی رہی ہے کہ ریاست جرائم سے پاک ہوگا، بہار میں سڑک حادثات کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہم دوسری ریاستوں سے آگے ہیں، گذشتہ سال کل چونسٹھ سو سرسٹھ (٦۴٦۷) حادثات ہوئے، جس میں سات ہزار ایک سو ستہتر (۷۱۷۷) لوگوں کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے، یہ وہ اعداد وشمار ہیں جو رکارڈ میں آئے، ورنہ صحیح اور سچی بات یہ ہے کہ بیش تر واقعات اندراج ہونے سے رہ جاتے ہیں، سڑک حادثات کم کیے جا سکتے ہیں، اگر ٹریفک ضابطوں کی پابندی کی جائے اور پولیس پچاس اور سو روپے لے کر ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ بخشے، سڑک پر چلیے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ٹریفک کا کوئی اصول ہی نہیں ہے، جس کو جس طرح من کرتا ہے گاڑی بھگا تا رہتا ہے، اس صورت حال پر قابو نہیں پایا گیا تو سڑک حادثات اور بھی بڑھ سکتے ہیں۔ ٹریفک کے اصولوں کی رعایت نہ کرنا بھی جرم کے زمرے میں ہی آتا ہے۔

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ ✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا محی الدین ساتن پوریؒ

امارت شرعیہ، خانقاہ مجیبیہ، جمعیت العلماء کے معتقد اور سرگرم کارکن، نامور خطیب، مشہور مجاہد آزادی، مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھونی سمستی پور اور بی ام سی (بیک ورڈ مؤمن کمیونیٹی) مکتب نون گولہ حاجی پور کے سابق استاذ، مشہور ملی وسماجی کارکن مولانا محی الدین بن مولوی نصیر الدین حاجی پور، موجودہ ضلع ویشالی کا ۲۰؍دسمبر ۱۹۶۵ء کو برسر راہ سہ پہر کے تین بجے انتقال ہوگیا، وہ سرکاری دفتر سے تنخواہ لے کر گھر کی طرف جا رہے تھے کہ رکشہ پر ہی دل کا دورہ پڑا، ساتھ میں بی ام سی مکتب میناپور کے مولوی شریف صاحب تھے، ان کے کاندھے پر روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، جنازہ حاجی پوران کے گھر لایا گیا، اور اسی دن دیر رات شہزاد پور اندر قلعہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جنازہ کی نماز اس زمانہ میں چوک مسجد کے امام مولانا مفتی عبد المنان دربھنگوی نے پڑھائی، پس ماندگان میں اہلیہ، تین لڑکے اور دو لڑکی کو چھوڑا۔

مولانا محی الدین ۲؍اکتوبر ۱۹۱۲ء کو اپنے آبائی وطن ساتن پور، دلسنگھ سرائے موجودہ ضلع سمستی پور میں پیدا ہوئے، وہ چار بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے ابتدائی تعلیم اس وقت کے مروجہ طریقہ کار کے مطابق اپنے والد سے گاؤں میں ہی حاصل کی، تعلیم کے آخری پڑاؤ پر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف موجودہ ضلع نالندہ تشریف لے گئے، اور وہیں سے ۱۹۳۲ء میں فاضل کی سند حاصل کی، مدرسہ عزیزیہ اس زمانہ میں پورے بہار میں تعلیم وتربیت کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتا تھا، دور دراز کے لڑکے وہاں تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، مدرسہ عزیزیہ سے پہلے کسی اور ادارے میں انہوں نے ضرور تعلیم حاصل کی ہوگی، لیکن درمیان کی اس کڑی سے ان کے صاحب زادگان بھی ناواقف ہیں اور مضمون نگار کے پاس اس کی تعیین کا دوسرا کوئی ذریعہ موجود نہیں، اس لیے ابتدائی تعلیم کے بعد فراغت کا ذکر کرنا ہی مناسب معلوم ہوا، فراغت کے بعد آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے، ان کی شادی محلہ مقصود پورہ اس ڈی او روڈ حاجی پور میں محمد حنیف کی لڑکی آمنہ خاتون (م ۲؍مئی ۲۰۰۲ء مطابق ۱۸؍صفر ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات) سے ہوگئی، اس طرح مصاہرت کے حوالہ سے وہ حاجی پور سے جڑ گئے، اور ان کی آمد ورفت حاجی پور ہوتے رہنے کی ایک مضبوط بنیاد قائم ہوگئی۔

تدریسی زندگی کا آغاز مولانا نے مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھونی سے کیا، یہ سو سال سے زیادہ قدیم بافیض ادارہ ہے، اب بھی بورڈ کے دوسرے مدرسوں کی بہ نسبت اس کی خدمات مثالی ہیں، مولانا نے چند سال یہاں طلبہ کو مستفید ہونے کا موقع دیا، اس درمیان حاجی پور آنا جانا لگا رہا، مولانا نے محسوس کیا کہ حاجی پور میں تعلیمی کام کی بڑی ضرورت ہے اور اچھے مواقع بھی ہیں، انہوں نے حاجی پور کے مختلف محلات اور قریبی علاقوں کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ یہاں کوئی تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیے، چنانچہ مولانا نے نون گولہ مسجد میں ایک ادارہ قائم کیا، نام رکھا مدرسہ اصلاح المسلمین، مطلب واضح تھا کہ اس ادارہ میں صرف تعلیمی کام نہیں ہوگا، بلکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں میں جو مختلف قسم کی برائیاں پائی جاتی ہیں، جن رسومات واوہام نے مسلمانوں کو زیر بار کر رکھا ہے اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے نہیں آتی، اس ادارہ کے ذریعہ اس کی اصلاح کی جائے گی۔ اس ادارہ کے ذریعہ گویا انہوں نے تعلیم کے ساتھ مسلم معاشرہ کے اصلاح کا بیڑہ اٹھایا، اولیت مسلم قوم کو دی، کیوں کہ وہ ایک عالم کی حیثیت سے ان کی اصلاح کے لیے پابند تھے، نام مدرسہ رکھا تاکہ واضح پیغام لوگوں میں جائے کہ یہاں تلاوت کتاب کی تعلیم، تربیت وتزکیہ کے ساتھ ہوگی اور کتاب وحکمت کی اعلیٰ تعلیم کے لیے نونہالوں کو تیار کیا جائے گا، یہ ایک بڑا منصوبہ تھا، بڑی تحریک تھی اور اس منصوبے کو زمین پر اتارنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے گاؤں سے نقل مکانی کر کے حاجی پور میں بود وباش کریں، چنانچہ انہوں نے ساتن پور چھوڑا اور حاجی پور کو وطن ثانی بنا لیا جو بعد میں اس خاندان کے لیے وطن اصلی بن گیا۔

مولانا نے ان محاذوں پر کام کیا اور جم کے کام کیا، ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، عبد القیوم انصاری مرحوم اس زمانہ میں مسلمانوں کی سیاست کا چہرہ تھے، ریاست کے وزیر تعلیم بنے تو ان علاقوں میں جہاں پس ماندہ لوگ بستے تھے اور آزادی کے بعد بھی اس کے فوائد اس آبادی تک نہیں پہونچے تھے، ان علاقوں میں اسکول کھولنے کا منصوبہ بنایا، پانچ سو بی ام سی (بیک ورڈ مؤمن کمیونیٹی) مکاتب کھولے گئے، مولانا محی الدین صاحب مؤمن کانفرنس کی تحریک سے جڑے ہوئے تھے، اس لیے بہت آسانی سے نون گولہ مسجد کا مدرسہ اصلاح المسلمین بی ام سی مکتب بن گیا، مولانا پہلے سے ہی وہاں پڑھا رہے تھے، اس لیے سرکاری استاذ کی حیثیت سے ان کی تقرری ہوگئی اور پوری زندگی اس مکتب میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا کی خدمات کئی جہتوں سے وقیع اور قابل قدر تھیں، لیکن اردو کی تعلیم ان کی زندگی کا نصب العین تھا، وہ تمام کاموں پر پڑھانے کو ترجیح دیتے تھے، وقت پر اسکول حاضر ہوتے تھے اور پھر پوری دلجمعی کے ساتھ اس میں لگ جاتے تھے، ان کے شاگردوں میں جناب انوار الحسن وسطوی اور شاہد محمود پوری جیسے لوگ ہیں، جو تدریسی خدمات سے سبکدوشی کے بعد بھی اردو تحریک سے جڑے ہوئے ہیں اور اردو مسائل پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور اس کے حل کے لیے کوشاں رہتے ہیں، آج مولانا کے اس اسوہ کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے، تحریکیں، سمینار، سمپوزیم میں اردو اساتذہ کی شرکت ہو، لیکن پڑھانے کے عمل کو ناغہ کر کے نہ ہو، پانچ سال تک اگر ہمارے اردو کے اساتذہ مولانا محی الدین مرحوم کے اس اسوۂ حسنہ کو اپنا لیں تو اردو کے بچے تیار ہو جائیں گے، آج المیہ یہ ہے کہ اردو اسکولوں میں بھی اردو کے بچے تیار نہیں ہو رہے ہیں اور اردو اساتذہ کے پانچ شاگرد بھی ایسے نہیں ہوتے جو اردو کے کام کے ہوں، مولانا محی الدین صاحب کو سچی خراج عقیدت یہ ہے کہ پڑھنے پڑھانے کے کام کو دوسرے تمام کاموں پر اساتذہ فوقیت دیں، اردو کا کارواں اس محنت سے بنے ہوگا، سمینار، سمپوزیم سے بیداری تو آسکتی ہے، اردو کے افراد تیار نہیں ہو سکتے۔

مولانا محی الدین صاحب کے کام کرنے کا جو عہد ہے، اس میں حاجی پور تحریک کا مرکز رہا ہے، ڈاکٹر شاکر خلیق کے دادا مولوی عبد الحمید اس زمانہ میں یہاں استاذ تھے، انجمن فلاح المسلمین کی بنیاد بھی ۱۹۳۵ء میں رکھی گئی تھی، اردو لائبریری کا قیام بھی ہوا تھا، دوسری طرف جد وجہد آزادی کا مرکز بھی حاجی پور تھا، یہاں گاندھی جی بھی دو بار آئے تھے، مولانا محمد علی جوہر کی والدہ بی اماں بھی آئی تھیں، مولانا محی الدین صاحب کی ذہنی ساخت اور شخصیت کی تشکیل میں ان عوامل کا بھی بڑا دخل تھا۔

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے خطابت کا اچھا ملکہ دیا تھا، معاشرہ کی اصلاح اور جد وجہد آزادی میں انہوں نے اپنی اس صلاحیت سے خوب فائدہ اٹھایا، ایک زمانہ میں حاجی پور اور گرد ونواح میں میلاد شریف کی مجلس میں بھی وہ مدعو ہوتے تھے، وہ اصلاح کی بات کرتے تھے، مسلکی تعصب سے دور بھی تھے اور اختلافی مسائل کو تقریر کا موضوع بنانے سے بھی گریز کرتے تھے، وہ جمعیۃ المؤمنین سے جڑے ضرور تھے، لیکن برادرانہ تعصب کو راہ نہیں دیتے تھے، بدقسمتی سے ان کے گذرنے کے بعد حاجی پور برادرانہ بنیادوں پر تقسیم ہوگیا، جس کی وجہ سے بہت سارے علمی، تعلیمی کاموں میں بے پناہ رکاوٹ آتی رہی ہے، اور آج بھی آرہی ہے، کاش یہ بیماری شہر سے ختم ہو پاتی، تو بہت سارے تعمیری، تعلیمی کاموں کو فروغ دیا جا سکتا تھا، انجمنوں کے قیام، تنظیموں کے عہدوں کے حصول سے ترقی نہیں ہوتی، ترقی زمینی محنت سے ہوتی ہے، جیسا مولانا محی الدین مرحوم کیا کرتے تھے، آج ان کے نقش قدم پر چلنے والا دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا۔

مولانا مرحوم کے صاحب زادہ ماسٹر عظیم الدین انصاری مختلف تحریکات سے جڑے ہوئے ہیں، اللہ کرے کہ وہ اپنے لیے کام کے اس طریقہ کو اپنا سکیں جو ان کے والد کا طرۂ امتیاز تھا اور جس کی وجہ سے وہ ہر طبقے میں مقبول تھے، ضرورت کام کو اس طرح کرنے کی ہے کہ خود کام بولنے لگے، ماسٹر عظیم الدین انصاری کے پاس وقت بھی فارغ ہے کیوں کہ وہ اسکول کی تدریسی خدمات سے سبکدوش ہو چکے ہیں، والد کے لیے ان کی جانب سے سچی خراج عقیدت یہی ہے کہ وہ والد کی تحریکی زندگی کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں انہیں جگہ ملے۔ آمین یارب العالمین

کتابوں کی دنیا ✍: ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — روشنی اور امن کے سفیر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے دماغ کے سرور، دل کے نور اور ان کا اسوہ صراط مستقیم پر باقی رکھنے کے لیے سرمایۂ حیات ہے، امت محمدیہ کی اہمیت وعظمت ان کے صدقہ کے طفیل ہے، وہ ہماری محبتوں کے مرکز ہیں اور اس محبت کے بغیر ہماری زندگی کی کوئی معنویت نہیں ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے، حیات مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے اور اسے اپنی زندگی کا حصہ بنایا جائے، اسی میں ہماری کامیابی اور عز وشرف کا راز پوشیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں مصنفین نے سیرت پاک پر کتابیں لکھی ہیں، اور حیات طیبہ کی تطبیق آج کے دور میں کرنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ موجودہ حالات میں سیرت کے اس واقعہ سے کیا روشنی ملتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم – روشنی اور امن کے سفیر بھی اسی نقطۂ نظر سے وجود میں آئی ہے، جو ڈاکٹر حسین غباش کی عربی تصنیف "محمد صلی الله عليه وسلم قراءة حديثة في سيرة النور والسلام کا ترجمہ ہے، اور مترجم جناب محمد نیاز احمد صاحب ہیں، جنہوں نے اس کتاب میں اپنی شخصیت کا اتہ پتہ نہیں دیا ہے، ایسی تواضع اور کسر نفسی کی مثال علمی اور تصنیفی دنیا میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، البتہ ڈاکٹر حسین غباش کی شخصیت سے انہوں نے ہمیں متعارف کرایا ہے، لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر غباش کا تعلق متحدہ عرب امارات سے ہے، وہ عالم عرب کے ایک معروف قلم کار، محقق اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، پولیٹیکل سائنس میں پی اچ ڈی ہیں، اور عالمی ادارہ یونیسکو میں متحدہ عرب امارات کے مستقل سفیر رہ چکے ہیں، لیکن سب سے بڑھ کر ان کا تعارف یہ ہے کہ وہ مؤمن، مخلص اور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق ہیں اور شاذلی سلسلہ تصوف سے وابستہ ہیں۔''

یہ کتاب سیرت نبوی پر سوانحی انداز کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ دور جدید کے اعتبار سے واقعات کا ذکر کر کے اس سے نتائج اخذ کئے گئے ہیں، اور عصر حاضر میں اس کی تطبیق کے پہلوؤں کو سامنے لایا گیا ہے، مترجم جناب محمد نیاز احمد صاحب لکھتے ہیں۔ ''اس کتاب میں واقعہ نگاری کے بجائے ایک ایسا طرز وآہنگ ہے جو سیرت کے عملی تطبیق کے پہلوؤں پر زور دیتا ہے اور قاری کو دعوت فکر وعمل دیتا ہے''، کتاب کو باب کے بجائے نو فصول پر تقسیم کیا گیا ہے، اور ہر فصل کے ذیل میں سیرت پاک کے کئی کئی واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں مترجم کا کہنا ہے کہ ''میں نے ترجمہ میں اصل متن، صحت معانی اور سیاق وسباق کا خیال رکھنے کی حسب توفیق الٰہی حتی المقدور کوشش کی ہے'' اس دعویٰ کی جانچ کے لیے اصل عربی کتاب کا ہونا ضروری ہے، جو تبصرہ لکھتے وقت میرے سامنے میں نہیں ہے۔

اس کتاب کا خوبصورت سرورق فارس غصوب نے بنایا ہے، تین سو بیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت دو سو ساٹھ روپے درج ہے، ناشر الفرح گود ڈیڈیس ٹرسٹ حیدر آباد ہے، مجھے یہ کتاب اسی ٹرسٹ کے ذریعہ پہونچی ہے۔ کتاب اس لائق ہے کہ اس کا پورے انہماک سے مطالعہ کیا جائے اور اسے پھیلایا جائے، تاکہ امت مسلمہ کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں اس کو دور کیا جا سکے۔

Scanned with CamScanner

قسط سیزدھم

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ بحیثیت محدث

☆حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی نائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ☆

نبوت کمالاتِ علمی میں سے ہے:

مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہل فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے، کمالاتِ عملی میں سے نہیں۔
الغرض کمالاتِ ذوی العقول کل دو کمالوں میں منحصر ہیں:
(۱) ایک: ''کمالِ علمی''
(۲) دوسرا: ''کمالِ عملی''
اور بنائے مدح کل انہیں دو باتوں پر ہے۔ چناں چہ کلام اللہ میں چار فرقوں کی تعریف کرتے ہیں:
(۱) ''نبیین'' (۲) اور ''صدیقین'' (۳) اور ''شہداء'' (۴) اور ''صالحین''
جن میں سے انبیاء اور صدیقین کا کمال تو ''کمالِ علمی'' ہے، اور شہداء اور صالحین کا کمال ''عملی''۔ انبیاء کو تو منبع العلوم اور فاعل، اور صدیقین کو مجمع العلوم اور قابل سمجھیے، اور شہداء کو منبع العمل اور فاعل، اور صالحین کو مجمع العمل اور قابل خیال فرمائیے۔ (تحذیر الناس: ص۱۸-۱۹)

مثال نمبر (۲)

''أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسَى؛ إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ''. أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ''. (امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق مصطفیٰ دیب البغا باب غزوۃ تبوک رقم الحدیث ۴۱۵۴ ج ۴ ص ۱۶۰۲)
جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی؛ کیوں کہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہونچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا۔ گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں۔
ختم نبوت زمانی کا منکر کافر ہے:
سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا، جیسا تواتر تعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ، باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں۔ سو جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ (تحذیر الناس: ص۲۹-۳۰)

مثال: (۳)

''سَيِّدُ السَّمٰوَاتِ السَّمَاءُ الَّتِي فِيْهَا الْعَرْشُ، وَسَيِّدُ الْأَرْضِيْنَ الَّتِي أَنْتُمْ عَلَيْهَا' (سیوطی، جلال الدین، اسرار الکون، (بیانات غیر مکتوب)، (باب) صفات السموات السبع، ج:۱، ص:۶)
اس حدیث سے ایک تو مماثلتِ زائدہ معلوم ہوئی، یعنی جیسے وہاں اوپر کا آسمان افضل ہے؛ کیوں کہ عرش اس میں ہے، یعنی اس سے متصل ہے۔ یہاں اوپر کی زمین، یعنی یہ زمین افضل ہے۔
دوسرے بدلالتِ التزامی یہ ثابت ہوا کہ اوپر کے آسمان والے نیچے والوں پر حاکم؛ کیوں کہ افضلیت سماوات ظاہر ہے کہ باعتبارِ افضلیتِ سُکّان ہے۔ سو نوع میں افضلیت اس بات کو مقتضی ہے کہ فرد افضل و اکمل موصوف بالذات ہو؛ کیوں کہ موصوف بالذات کی طرف سے تو نوع واحد میں تفاوت افراد ممکن نہیں؛ اس لیے کہ وہ ایک ہوتا ہے، اور جہاں دو نظر آتے ہیں، بایں نظر کے نوع واحد میں تعدد ترکیب کو مقتضی ہے، تاکہ اتحادِ امرِ مشترک کی طرف راجع ہو، اور تباین امورِ متبائنہ کی طرف۔ پھر انجام کار وحدت لازم آتی ہے۔ (تحذیر الناس: ص۴۳)

مثال نمبر (۴)

''مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا'' (امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق: مصطفیٰ دیب البغا، (لبنان: دار ابن کثیر، الیمامہ، بیروت، ط۳، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء)، ج:۶، ص: ۲۷۱۴، رقم الحدیث: ۷۰۲۰)
غرض شہادت اس صورت میں عوارضِ ہمت اور قوتِ عملی میں سے ہوئی۔
اور شہید اول درجہ کا آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہوا، اور اسی وجہ سے شاید شہید کو شہید کہتے ہیں، یعنی بروز قیامت وہ شاہد ہوگا کہ فلاں شخص حکمِ خدا مان گیا تھا اور فلانے نے نہیں مانا؛ کیوں کہ اس بات کی اطلاع جیسی آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو ہوسکتی ہے، اتنی اوروں کو نہیں ہوسکتی۔ اور اس کی گواہی اس باب میں ایسی سمجھیے، جیسے کسی مقدمہ میں ملازمانِ سرکاری کی گواہی۔ چناں چہ اس امت کے حق میں یہ فرمانا:
''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ''. (سورۂ آل عمران: ۱۱۰)
اور ادھر یہ ارشاد: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ'' (سورۃ البقرۃ: ۱۴۳)
غور کیجیے تو اسی جانب مشیر ہے۔ (تحذیر الناس: ص۲۱-۲۲)

حکایات اہل دل

✍: مولانا رضوان احمد ندوی

بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے سبق آموز واقعات پڑھنے سے ذہن میں کشادگی اور فکر میں وسعت پیدا ہوتی ہے، مشکل حالات میں ہمت وحوصلہ سے حالات کا مقابلہ کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے اور استقامت کی شان پیدا ہوتی ہے، انہیں بنیادوں پر یہاں چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں، تاکہ عمل کا جذبہ پیدا ہوسکے۔

نفس کشی کی مثال

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام محمدؒ سے کہا کہ جب تک تم حفظ نہیں کروگے، علم میں رسوخ نہ ہوگا، یہ استاذ کی طرف سے حوصلہ کا امتحان تھا، امام محمدؒ نے ایک ہفتے میں قرآن حفظ کرکے حاضری دی اور کہا کہ شرط پوری کرلی۔
پھر امام صاحبؒ نے اور آزمایا، امام محمدؒ جیسے مالدار باپ کے بیٹے کو کہا کہ مذبح سے تین اوجھڑی ایک ساتھ لے کر آؤ تو دونوں ہاتھوں میں ایک ایک اور ایک منہ میں دبا کر پورے بازار سے گذرتے ہوئے لے کر آئے، لوگ کہتے تھے کہ یہ لڑکا کیا پاگل ہوگیا ہے، یہ تھی نفس کشی اور استاذ کی اطاعت اور یہ تھی استاذ کی طرف سے آزمائش۔

ایک پارسا شخص کا انجام

بنی اسرائیل میں ایک انتہائی نیک اور پارسا شخص تھا، وہ جنگل میں ایک جگہ بیٹھا اس پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا، وہاں سے ایک گنہگار انسان کا گذر ہوا اسے یہ منظر بڑا پیارا لگا اور دل میں اس نیک انسان کی محبت آئی اور سوچا کہ یہ اللہ کا نیک بندہ ہے اس کی صحبت میں بیٹھ جانے سے شاید مجھے بھی کچھ برکت حاصل ہو جائے وہ جب اس پارسا کے پاس بیٹھنے لگا تو اس نے بڑی حقارت سے اس کو بھگا دیا وہ بادل جو اس نیک انسان پر سایہ کئے ہوئے تھا اس سے ہٹ کر گنہگار پر سایہ فگن ہوگیا، وقت کے پیغمبر پر وحی آئی کہ ان دونوں سے کہو کہ نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں، اس فاجر وفاسق شخص کے گناہ اس کی تواضع کی وجہ سے میں نے معاف کردیئے اور اس زاہد وعابد کی نیکیوں کو اس کے تکبر اور دوسروں کو نفرت کی نظر سے دیکھنے کی وجہ سے ضائع کردیا۔ (ندائے ممبر ومحراب: ۲۴۲/۲)

عادت سے عبادت بنتی ہے:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ریا اور دکھلاوے کے لئے کوئی عمل کررہا ہو تو بھی اس کو کرتا رہے چھوڑے نہیں اس لئے کہ شروع میں وہ ریا رہے گی، اس کے بعد عادت بن جائے گی اور عادت سے پھر عبادت ہو جائے گی، اسی لئے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور طلباء سے فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا جب عصر کے بعد سیر وتفریح کے لئے جایا کرو تو ہاتھ میں تسبیح لے کر نکلا کرو اور اس پر کچھ ذکر کرتے رہا کرو یہ نہ سوچو کہ لوگ ریاکار کہیں گے۔
اس لئے کہ اس طرح ذکر کی عادت بنے گی اور عادت کو عبادت بنانا آسان ہے، اسی لئے کہا گیا ہے، جبل گردد جبلت نہ گردد۔
کہ پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکتا ہے لیکن جبلت، فطرت اور عادت کا چھوٹنا اور چھڑانا مشکل ہوتا ہے۔
البتہ اس میں امالہ کی گنجائش ہوتی ہے، ازالہ مشکل ہوتا ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فطرتاً اور طبیعۃً غصہ تھا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا ازالہ نہیں ہوا بلکہ امالہ ہوگیا وہ اس طور پر کہ پہلے ان کو اسلام کے خلاف غصہ آتا تھا اور اب اسلام قبول کرنے کے بعد کفر ونفاق کے خلاف غصہ آنے لگا۔
چنانچہ آپ کا حال یہ تھا کہ جب کسی منافق کی حرکت کرتے دیکھتے تو فرماتے ''دعني يا رسول الله اضرب عنق هذا المنافق'' کہ اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔
حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر آپ کو روکتے ''أمهل يا عمر'' اے عمر ابھی ٹھہرو جلدی نہ کرو۔

ایک محدث کا واقعہ:

ایک محدث تھے انہوں نے اپنے لڑکے سے پوچھا بیٹا، کیا بننا چاہتے ہو، بیٹے نے کہا کہ آپ جیسا محدث بننا چاہتا ہوں باپ نے کھینچ کر ایک طمانچہ رسید کیا اور فرمایا اتنی پست ہمتی، ارے احمق ہمت بلند رکھو اور یہ کہو کہ حافظ ابن حجر جیسا محدث بننا چاہتا ہوں، علامہ عینی، کرمانی، قسطلانی جیسا محدث بننا چاہتا ہوں اور اسی اعتبار سے محنت کرو تب جاکر کہیں مجھ جیسا محدث بن پاؤگے اور اگر ابھی سے یہ نیت کرلی کہ مجھ جیسا بننا ہے تب تو کچھ نہیں بن پاؤگے۔
اس لئے طلباء کو طالب علمی کے زمانہ میں بلند ہمت اور پرعزم ہونا چاہئے اور اپنا نشانہ اسی اعتبار سے اونچا رکھنا چاہئے، تب جاکر کسی کام کے بنوگے۔
آج کل تو عموماً طلباء کی کوئی منزل ہی نہیں ہوتی اس منزل کو پانے اور وہاں تک پہنچنے کی بات تو بعد کی ہے جس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔
کہ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ان کو ہر وقت ہنکانا پڑتا ہے اور مستقل چرواہی کرنی پڑتی ہے اور ہر وقت ڈنڈا لے کر ان کے سر پر کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے طلبہ کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

Scanned with CamScanner

ہماری بے وزنی کے اسباب

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

مسلمان ان دنوں عالمی وملکی پیمانے پر زبردست بحران کا شکار ہیں۔تاریخ کی سب سے سرخرو قوم اور اپنے پاس مستقل لائحہ عمل رکھنے والی سربلند ملت اپنی ہی بعض ناعاقبت اندیشوں کے سبب اغیار کے رحم وکرم پر جی رہی ہے۔اسلام کے قلب وجگر پر جس تیزی اور منصوبہ بندی سے حملے ہورہے ہیں اور مسلمانوں کے مستقبل پر جو کاری ضربیں لگائی جارہی ہیں،تاریخ شاید اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہو۔وطن عزیز کی تازہ ترین صورت حال بہ طور خاص برسر اقتدار جماعت کے ظلم وجور ،مسلمانوں کے تئیں اس کی طوطا چشمی و بے مروتی اور احتجاج کے ذریعہ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کے خلاف منصوبہ بند قتل وغارت گری وغیرہ سے ہر صاحب ادراک نہ صرف واقف ہے؛ بل کہ آزردہ اور کبیدہ خاطر بھی ہے۔

قوموں کا عروج وزوال اگرچہ قانون فطرت کے مطابق ہوتا ہے؛ تاہم ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں اسباب وعوامل کو مطلق دخل نہ ہو؛ بلکہ کسی بھی قوم کی ترقی وتنزلی میں مختلف اسباب وعلل فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں،حالات کے مدوجزر کودیکھتے ہوئے انہیں معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔بالخصوص ایک مسلمان کے لیے تو بالکل دشوار نہیں کہ وہ فراست ایمانی رکھتا ہے اور اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔مزید برآں اس کے سامنے کتاب وسنت کے کھلے اوراق ہیں جو ہر موقع پر کامل رہبری اور بھرپور رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔اس بات سے کسی بھی ہوش مند کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ حالات کا رخ موڑنے اور تازہ انقلاب برپا کرنے کے لیے ان پر صرف سیاسی نقطہ سے غور کرلینا اور ممکنہ اسباب اختیار کرلینا کافی نہیں ہے؛بل کہ اہل ایمان ہونے کی حیثیت سے انفرادی واجتماعی سطح پر دینی صورت حال کا جائزہ لینا بھی ازحد ضروری ہے کہ ہمارے اعمال کیسے ہیں؟ ہم میں دین داری کتنی ہے اور شریعت بیزاری کتنی ؟طاعت ومعصیت کے جذبات میں کون غالب ہیں؟ وغیرہ۔اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو فتنوں سے خبردار وآگاہ کرنے کے لیے بہت سی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں،جن میں امت کے زوال وانحطاط کے اسباب کا ذکر بھی موجود ہے اور اس کا یقینی حل بھی۔

ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کا چودھواں بادشاہ ،اورنگ زیب عالم گیر کا پرپوتا،روشن اختر المعروف محمد شاہ رنگیلے تھا،جس نے اپنی مدتِ حکومت کا زیادہ تر وقت رقص وسرود کی مجلسیں جمانے اور فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے فن کاروں کی صحبت میں دن ورات کا اکثر حصہ بسر کرنے ،قانون بنانے اور توڑنے کے حوالے سے بھی عجیب وغریب خبط میں مبتلا تھا، اچانک کسی بھی شخص کو ہندوستان کا اعلیٰ ترین عہدہ سونپ دیتا اور جب چاہتا وزیراعظم کو کھڑے کھڑے جیل بھجوادیتا۔وہ بیٹھے بیٹھے حکم دیتا کہ کل تمام درباری زنانہ کپڑے پہن کر آئیں اور فلاں فلاں وزیر پاؤں میں گھنگرو باندھیں!اس جابرانہ حکم کے بعد وزراء اور درباریوں کے پاس انکار کی گنجائش نہ ہوتی ،وہ دربار میں آتا اور اعلان کردیتا کہ جیل میں بند تمام مجرموں کو آزاد کردیا جائے اور اتنی ہی تعداد کے برابر بے قصور لوگ جیل میں ڈال دیے جائیں،بادشاہ کے حکم پر سپاہی شہروں میں نکلتے اور انہیں راستے میں جو بھی شخص ملتا اسے پکڑ کر جیل میں پھینک دیتے۔وہ وزارتیں تقسیم کرنے اور خلعتیں پیش کرنے کا بھی شوقین تھا، ہر روز پانچ نئے لوگوں کو وزیر بناتا اور سو پچاس لوگوں کو شاہی خلعت پیش کرتا ؛مگر اگلے ہی دن یہ وزارتیں اور خلعتیں واپس لے لی جاتیں،وغیرہ۔۔۔۔ایسے متلون مزاج حکمراں کے عہد میں ایران کے ایک سخت گیر فرماں روا نادرشاہ نے ہندوستان کے دارالحکومت دہلی پر زبردست حملہ کیا اور وہ لوٹ مار کی کہ گلیاں خون سے بھر گئیں، ہر کوچے میں انسانی لاشیں بکھر گئیں،کسی کے لیے کوئی امان نہ تھی ،ہر گردن پر خونخوار تلوار کھنچی ہوئی تھی،سب حیران وششدر تھے کہ یہ کیا ہوا؟ جب نادرشاہ نے قتل عام بند کیا ،اور رہے سہے لوگوں کے حواس درست ہونے شروع ہوئے ،تو کسی نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ سب کیا ہوا؟ انھوں نے ایک جملے میں جواب دیا، وہ جملہ صفحاتِ تاریخ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگیا، انھوں نے کہا:"شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت"یعنی ہماری بدعملی نے پروردگار عالم کو ناراض کیا،اور وہی بداعمالیاں نادرشاہ کی صورت میں ہم پر قہروعذاب کا کوڑا بن کر برس گئیں۔موجودہ حالات میں کیا بعید ہے کہ حکومت کے ناروا جبر وتشدد کا ایک بنیادی سبب ہمارے ہی اپنے اعمال ہوں،حقوق و فرائض میں ہماری کوتاہی ہو،منہیات ومحرمات کا بے جھجک ارتکاب ہو۔حدیث قدسی ہے ،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں ، میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں ، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں ، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں ،تو ان کے بادشاہوں کے قلوب کو رحمت ومہربانی کے جذبے کے ساتھ ان پر متوجہ کرتا ہوں ، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے جذبے کے ساتھ ان کے اوپر بدل دیتا ہوں ،تو وہ انھیں سخت عذاب کا مزا چکھاتے ہیں،تو اے لوگو! اپنے آپ کو بادشاہوں کے برا بھلا کہنے اور ان پر بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ ذکر اور دعا کے اندر اور گریہ وزاری میں خود کو مشغول کرو، تاکہ تمہارے بادشاہوں کے مقابلے میں مَیں تمہاری حمایت وکفایت کروں۔(مشکوۃ شریف)حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ظلم وجبر کے مقابلے میں ظاہری تدابیر سے جو حد جواز میں ہوں،منع نہیں کرتا۔دنیا میں اسباب کا سلسلہ مقاصد ونتائج کے ساتھ جڑا ہوا ہے ،لیکن یہ اسباب دوہرے ہیں ، انسان کو خارجی اسباب کے مقابلے میں داخلی اسباب پر توجہ زیادہ کرنی چاہئے ،ہم حکومت کی غلط پالیسیوں کے خلاف دم خم دکھائیں ،مظاہرہ کریں ،تجویزیں پاس کریں ،اپنی یکجہتی اور اتحاد کا منظر پیش کریں ،سب بجا؛ لیکن اس سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ اہتمام اس بات کا کریں کہ جس کمزوری کو پاکر حکومت ہمارے دین وملت پر حملہ آور ہے ،اس کمزوری کو ہم دفع کریں ،شریعت کو اور احکام اسلام کو پہلے ہم اپنی ذات پر ،اپنے خاندان پر ،اپنے معاشرہ پر نافذ کریں ،چاہے وہ ہمارے نفس ،ہمارے اغراض اور ہمارے ظاہری مفاد کے کتنا ہی خلاف ہو۔(حدیث درد دل)

امام ابوداؤد سجستانی نے اپنی سنن میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے ، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں"،تو ایک کہنے والے نے کہا: کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"نہیں ؛ بلکہ تم اس وقت بہت ہوگے ،لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہوگے ، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا ،اور تمہارے دلوں میں"وہن"ڈال دے گا"،تو ایک کہنے والے نے کہا: اللہ کے رسول ! وہن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے"۔

غور کیجیے! آج اسی دنیا کی محبت اور موت سے نفرت نے امت کو کہیں کا نہ چھوڑا ، کیا فقیر ، کیا امیر ،کیا مرد، کیا عورت ،کیا عالم ، کیا جاہل ، کیا خواص اور کیا عوام! ہر ایک فانی دنیا کے پیچھے پڑا ہوا ہے ،مال و منال ،اسباب وجائیداد اور عزت وبرتری ہی مقصود زندگانی بن چکا ہے ،اور یہ حقیقت ہے کہ جب انسان پر حیات دنیوی کی درستی وآرائش کا شوق سوار ہوتا ہے تو صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ مبداء ومعاد کی اس کو کچھ خبر نہیں رہتی اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہورہتے ہیں، قلب محبتِ دنیا میں مشغول ہوجاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح وتدبیر میں مصروف۔غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ پیشن گوئی ،صرف پیشن گوئی نہیں ہے ؛ بلکہ مسلمانوں کے لیے پیغام عبرت ہے ،درس نصیحت ہے ،راہ نجات وہدایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ سبب جس سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور ہر وہ بات جس کے نتیجے میں موت ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے، اسے اپنی زندگی سے خارج کریں ،اگر ایسا کرلیا گیا ،تو دشمنوں کو حوصلہ نہ ہوگا کہ وہ آپس میں مسلمانوں کے خلاف اس طرح دعوت دیں ، جیسے وہ کوئی تر نوالہ ہوں ؛ بلکہ ان کی ہیبت دلوں میں اس طرح بیٹھ جائے گی ، کہ انھیں اٹھنے کا حوصلہ نہ ہوگا۔

دنیا کی محبت میں گرفتار شخص پر ناگواری اظہار کرتے ہوئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہلاک ہو دینار و درہم اور چادر کا بندہ ،اگر اس کو یہ چیزیں دی جائیں تو خوش ہو اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو۔ایسا شخص ذلیل اور سرنگوں ہو جب اس کے کانٹا چبھے نہ نکالا جاوے۔مبارک ہو وہ بندہ جو خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا ہے اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور قدم غبار آلود ہیں اگر لشکر کی حفاظت پر مقرر کیا جاوے تو لشکر کی حفاظت کرتا ہے اور لشکر کے پیچھے رکھا جاتا ہے تو پوری اطاعت کے ساتھ لشکر کے پیچھے رہتا ہے ،اگر لوگوں کی محفل میں شرکت کی اجازت چاہتا ہے تو شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی اور اگر کسی کی سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جاتی ،یعنی گم نام ،بے نام ونشان ہونے کے سبب مخلوق ایسے بندے کو بے قدر سمجھتی ہے۔(مشکوۃ) اسی حب دنیا کا اندیشہ کرتے ہوئے ایک اور مقام پر قسم کھا کر فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے فقر وافلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کی جائے جس طرح تم سے پہلے والوں پر کشادہ کی گئی تھی پھر تم دنیا کی محبت ورغبت میں گرفتار ہوجاؤ گے جس طرح تم سے پہلے والے گرفتار ہوئے تھے اور یہ دنیا پھر تم کو ہلاک کردے گی جس طرح تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا تھا۔(مشکوۃ)

حب دنیا میں حب جاہ بھی داخل ہے ؛ بلکہ ہوسِ زر کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ومضر ہے اور اس سے دامن کا بچانا ذرا مشکل ہے۔حب جاہ کے معنی ہے کہ انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اس کی خواہش کرے کہ ان کے دل میرے مطیع بن جائیں میری تعریف کیا کریں۔میری حاجت کے پورا کرنے میں لپکیں اور جان تک سے دریغ نہ کریں۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ قرآن کا علم حاصل کریں گے ،اور دین میں گہرائی تک پہونچیں گے ان کے پاس شیطان آئے گا اور کہے گا کہ تم اگر حکام کے پاس جاکر ان کی دنیا میں سے کچھ حصہ حاصل کرلو، اور اپنے دین کو بچالو، تو کیا حرج ہے؟ آپ فرماتے ہیں سن لو! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ، جیسے ناگ پھنی سے بجز کانٹے کے اور کچھ نہیں مل سکتا ، ایسے ہی حکام کے قرب سے بجز گناہ کے اور کچھ نہیں پا سکتے ۔(طبرانی) آج امت میں یہ مرض بھی عام ہوتا جارہا ہے، بے لوث ومخلص قائدین کا فقدان ہر طرف ہے ، ہر کوئی اپنا نام چمکانے اور ملک گیری کی ہوس میں حد سے گزر جانے کو تیار ہے۔

الغرض دنیا وآخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں ،لہذا آخرت کا تذکرہ اور موت کی یاد انسان کے لئے نہایت لازم وضروری ہے ؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کا تفصیل کے ساتھ بار بار ذکر کیا گیا ،تاکہ آخرت سے کوئی آدمی غافل نہ ہو، اور دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہوجائے۔

حق تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں ملک کے موجودہ حالات میں زوال کے اسباب سمجھنے ، اجتماعی وانفرادی طور پر مستقل لائحہ عمل بنا کر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے ، بالخصوص اپنی زندگی ، اپنے گھر اور اپنے خاندان سے انقلاب کا آغاز کرنے کی فکر نصیب فرمائے ۔آمین

Scanned with CamScanner

ہندوستان میں اسلام اور مسلمان کا مستقبل

ڈاکٹر ابوذر کمال الدین

ہندوستان اسلامی تہذیب کا ایک اہم گہوارہ ہے۔ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ دنیا کے کسی خطہ سے زیادہ قدیم اور شاندار ہے، ویسے تو مسلمان پہلی صدی ہجری میں ہی ہندوستان میں وارد ہو گئے تھے لیکن اس ملک میں مسلمانوں کی تاریخ سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے سے شروع ہوتی ہے۔ ہندوستان میں مسلم عہد کا آغاز1192 سے ہوتا ہے۔ جب محمد غوری نے پرتھوی راج چوہان کو شکست دیکر دہلی میں اپنی سلطنت قائم کرلی، اس نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو ہندوستاں کا حکمراں بنادیا اور وہیں سے اس ملک میں مسلم عہد کا آغاز ہوتا ہے ۔1192 سے 1757 تک ملک میں مختلف مسلمان خاندانوں نے حکومت کی ہے، 1757 کے بعد صورت حال تبدیل ہونے لگی، مراٹھوں، سکھوں اور انگریزوں نے مسلم اقتدار کو چیلنج کیا، بالآخر 1857 میں پورے ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی اور انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔

انگریزوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے ہندو مسلم کش مکش کو ہر طرح مہمیز دیا تا کہ ہندوستانی آپس میں لڑیں اور ان کو حکومت کرنے کا موقع ملتا رہے، انگریزوں کی یہ کوشش اس وقت بھی نامناسب تھی اور انہوں نے نفرت کی جو کھیتی اس ملک میں اپنے عہد اقتدار میں شروع کی تھی اس کے وارثین آج اس کی پوری آبیاری کر رہے ہیں، نتیجے کے طور پر جب ملک آزاد ہوا تو وہ تقسیم کا زخم بھی ساتھ لایا، لیکن تقسیم ایک ناقص نظریہ تھا، جو اس خطے کے مسلمانوں نیز ہندو مسلم کش مکش کے مسئلہ کو حل کرنے کے بجائے اسے اور بڑھا اور گہرا کر گیا۔

آزادی کے بعد جب تک اس ملک میں کانگریس کی حکومت رہی تب تک بظاہر ایک بھرم قائم تھا، کانگریس میں مسلمان دشمن عناصر بڑی مقدار میں موجود تھے لیکن اس کا تنظیمی ڈھانچہ اور اس کی مجموعی سوچ سیکولر تھی اس لئے خیال گذرتا تھا کہ جب یہ افراد اقتدار سے ہٹ جائیں گے تو صورتحال ٹھیک ہوجائے گی، دھیرے دھیرے کانگریس پر انتہا پسند فرقہ پرست قوتوں کا قبضہ ہوگیا، رہی سہی کسر نرسمہا راؤ کے دور اقتدار نے نکال دی اور کانگریس اپنی کچیلی اتار کر اپنی اصل شکل میں آگئی۔ بابری مسجد کی شہادت ہندوستانی تاریخ کا Turning Point ہے۔

اس ملک میں ہندو سبھا اور آر ایس ایس اور اس نوع کی کئی تنظیمیں ہیں جو اس ملک کو یا تو مسلمانوں کے وجود سے خالی کرانا چاہتی ہیں یا ان کا شدھی کرن کر کے ان کو ہندوستانی تہذیب وثقافت میں اس طرح ضم کرنا چاہتی ہیں کہ ان کا وجود عدم وجود برابر ہوجائے چھ دسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد اس ملک میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جب کہ ہندوستان میں احیاء پرست قوتوں کو برسر اقتدار آنے کا موقع مل گیا۔

ایک زمانہ میں ہندوستانی اخبارات میں یہ خبر گرم تھی کہ اندلس میں اسلامی اقتدار اور تہذیب کا خاتمہ کس طرح کیا گیا، اور مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی ریشہ دوانیوں نے کس طرح عرب ممالک کی مشکیں کس دی ہیں اس گہرائی سے مطالعہ کیا جارہا ہے تا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود اور تہذیبی آثار کو ختم کرنے میں اس سے مدد لی جاسکے۔ تعلیم ذرائع ابلاغ اور داخلی امور (Home Affairs) کے باب میں ایسی پالیسی سامنے لائی جارہی ہے جس سے مسلمانوں کو ان کی زبان اور عقیدہ وتہذیب سے دور کیا جائے، نیز ان کے اندر دیومالائی تصورات کو فروغ دیا جائے، اور اس کو مشکوک اور مطعون قرار دے کر اجتماعی زندگی سے بے دخل کر دیا جائے ۔صورت حال اتنی سنگین ہے کہ کلیجہ منھ کو آتا ہے، ہندوستانی تاریخ میں پہلی بار مسلمانوں کے وجود کو ایسے چیلنجز کا سامنا ہے، جس کا کوئی تصور آج سے پہلے کسی کے ذہن میں نہیں تھا، یہ لمحہ فکریہ ہے۔ مسلمان ملت جیسی کچھ ہے اس کا اندازہ اوپر کے صفحات سے آپ کو ہو گیا ہوگا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی تین چوتھائی آبادی غربت اور جہالت میں مبتلا ہے۔ مسلمانوں کا ہندوستان کے اجتماعی معاملات میں بالخصوص تجارت، معیشت ،سیاست سرکاری نوکری، صحافت، پولیس، فوج، تعلیم اور دیگر شعبوں میں حصہ داری ۲ر سے ۵ فیصد کے درمیان ہے ۔اس اعتبار سے ہندوستان میں مسلمان ملک کی سب سے پسماندہ ترین اقلیت ہے دوسری طرف مسلمانوں میں ذات برادری اور مسلک وجماعت کا جھگڑا ملک میں کسی دوسرے طبقے کے مقابلہ کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا ہندوستان کے مخصوص تناظر میں مستقبل کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ایک واضح لائحہ عمل اور طریقہ کار سامنے لانا ہوگا میرے خیال میں یہ لائحہ عمل مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہو سکتے ہیں:

۱) مسلمانوں میں تعلیم عام کرنے کی کوشش

چونکہ مسلمانوں میں جہالت بہت ہے اسکے نتیجہ میں وہ بے شعوری اور معاشی ابتری کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، اس لئے مسلمانوں میں ہر سطح اور ہر طرح کی تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت ہے خصوصیت کے ساتھ مسلمان پسماندہ برادریوں اور خواتین میں تعلیم کو عام کرنا ضروری ہے، تعلیم وقت کے تقاضے کے مطابق ہونا ضروری ہے، اس کے لئے ملت کی لیڈر شپ کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا اور اپنے اور اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے تعلیم کا ایک جامع منصوبہ اور اس کے لحاظ سے مناسب اداروں کے قیام کی کوشش کرنی ہوگی، یہ کام جتنی جلدی اور جتنے بڑے پیمانہ پر کرنا ممکن ہو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۲) مسلمانوں میں سماجی اتحاد کو فروغ

مسلمانوں کو یہ چیز باور کرانی ہوگی کہ وہ اس ملک میں ایک پسماندہ اقلیت ہیں۔ اقلیت کی دو ہی پونجی ہوتی ہے اس کی آبادی کی کیفیت یعنی کوالیٹی دوسرے اس کا آپسی اتحاد۔ افسوس کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں ہے، مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد خال خال نظر آتے ہیں، اسی تناسب سے زندگی کے جملہ میدانوں میں ان کی نمائندگی بھی خال خال ہے، جو لوگ ہیں بھی ان کے اندر ملی شعور کا فقدان ہے یا وہ حالات سے ایسے دبے ہوتے ہیں کہ ان کے وجود اور عہدہ کا ملت کو کوئی خاص فائدہ نہیں مل پاتا۔ شاید اس لئے کہ ملت سے ان کو کوئی مدد ملنے کی امید نہیں ہوتی، اس لئے نہ وہ ملک کے لئے مفید ہو پاتے ہیں اور نہ ہی ملت ان کے لئے معاون ہو پاتی ہے۔ احساس کمتری اور خوف کا ماحول ہے جو اوپر سے نیچے ہر فرد میں کسی نہ کسی درجہ میں پایا جاتا ہے، یہ کیفیت تبھی دور ہوگی جب ملت کے مختلف طبقات کے بیچ پر وپر کمینونلیکشن ہوگا اور لوگ ایک دوسرے کو ساتھ لے کر چلنے کے اہل ہوں گے۔

۳) ملت کا حوصلہ پست نہ ہونے دیں

اس وقت ملت اسلامیہ ہند کو ہندو احیاء پرست قوتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، نام نہاد سیکولر عناصر چولی بدل بدل کر فرقہ پرستوں کی گود میں جارہے ہیں، بقول شخصے جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ حالات نے ہم پر یہ واضح کردیا ہے کہ سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اگر کوئی ہم سے ہمدردی رکھتا ہے تو اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہمارا دوست بھی ہے، ملک میں عدالت پولیس اور پریس کا رول بھی غیر جانبدار اور انصاف پر مبنی نہیں ہے۔

بنے ہیں اہل ہوس، مدعی بھی، منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں

والی کیفیت ہے، ایسی صورت میں ملک کے اندر احساس کمتری، خوف اور مایوسی کا پیدا ہونا فطری ہے، اس لئے اس وقت ملت کی اجتماعی قیادت کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ ملت کا حوصلہ پست نہ ہونے دیں اور ایسی حکمت عملی اختیار کریں جس سے ملت کا اعتماد بحال ہو سکے، موت اور آزمائش انسان کا مقدر ہیں، اس لئے موت اور آزمائش کے خوف کو اپنے اعصاب پر اتنا مسلط نہ ہونے دیا جائے کہ زندگی موت سے بدتر ہوجائے، ملت پر مختلف ملکوں میں تاریخ کے مختلف ادوار میں بڑی بڑی آفتیں آئی ہیں، لیکن ملت آج تک زندہ ہے، جیسے اچھے دن نہیں رہے اسی طرح برے دن بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے، ہمیں ملت کی تنظیم نو کرنی ہے، تعلیم عام کرنا ہے، اتحاد اور اجتماعیت کو فروغ دینا ہے، کسی حال میں امت کا حوصلہ پست نہیں ہونے دینا ہے، مثل مشہور ہے جو ڈر گیا وہ مرگیا، اسلام میں صرف خدا کا خوف جائز ہے، باقی سارے خوف حرام ہیں، ہمیں نوجوانوں کو یہ سبق پڑھانا بھی ہے اور یاد بھی کرانا ہے، ہم اس ملک میں اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہ فنا کر سکتی ہے اور نہ اس ملک سے نکال باہر کر سکتی ہے، اس لئے ایسے کسی اندیشے کو اپنے ذہن سے ہمیشہ کے لئے نکال دینا چاہئے ہاں شخصی اور مقامی طور پر کہیں کہیں ہم پر آفتیں آسکتی ہیں جن کا ہم ملی شعور اور مضبوط اجتماعیت کے ذریعہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔

۴) سیاسی اور معاشی قوت کی کوشش

ملک کے سیاسی عمل سے خود کو الگ رکھنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے، سیاست میں اگر حصہ داری بڑھے گی تو معاش اور دیگر وسائل وذرائع میں بھی حصہ داری بڑھے گی اور اس کے ذریعہ ملت کو تقویت ملے گی، ہماری رائے میں ملت کی تمام جماعتوں اور سرکردہ افراد کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے اور اب تک کی اپنی حکمت عملی کا بے باکانہ جائزہ لینا چاہئے، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اب تک ہماری اجتماعی حکمت عملی میں کیا خامیاں رہی ہیں، جس کی وجہ سے ملت روز بروز پسماندہ ہوتی چلی گئی اور اب کیا حکمت عملی اختیار کی جائے تا کہ صورت حال کو بہتر بنایا جاسکے۔ اس کے لئے اب تک تین واضح خطوط ہمارے سامنے آئے ہیں: (۱) ملت میں تعلیمی اور معاشی عمل کو تیز کر کے ملت کو اوپر اٹھانے کی کوشش (۲) پوری ملت کو پسماندہ قرار دے کر ان کو سیاسی اور معاشی تحفظات فراہم کرنے کی مانگ (۳) مسلمان پسماندہ برداریوں کو ہندو پسماندہ برادریوں کی طرح تسلیم کرتے ہوئے پسماندہ برادریوں کو جو مراعات وتحفظات حاصل ہیں ان میں ان کی حصہ داری متعین کرنا۔

۵) مسلمانوں میں دینی بیداری

مسلمانوں میں دینی بیداری لانے کی کوشش کی جائے، کیوں کہ مسلمان اسلام کے ماننے والے کو کہتے ہیں، ایک مسلمان خدا کو مانتا ہے، رسول سے محبت رکھتا ہے، آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھتا ہے، شریعت کا احترام کرتا ہے، نماز ادا کرتا ہے، اور حج کا فریضہ ادا کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے، کمزوروں مجبوروں کی مدد کرتا ہے، عورتوں کے حقوق ادا کرتا ہے، وہ انصاف کا علم بردار اور ظلم کا مخالف ہوتا ہے، وہ خدا کی رضا کا طالب دنیا والوں سے بے پرواہ ہر خوف وملامت سے آزاد محض اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتا ہے، اسے ڈر صرف خدا کا ہوتا ہے، وہ دوسروں کی خوشی سے خوش اور دوسروں کے دکھ سے دکھی ہوتا ہے، اس کا رب رب العالمین ہے، اس کا رسول رحمۃ للعالمین ہے، اس کی کتاب ہدی للناس ہے اور اس کی ذات خیر الناس ہے، اس لئے وہ ساری دنیا کی بھلائی چاہتا ہے، یہ شعور تمام مسلمان مرد وعورت بچے بوڑھے اور جوان میں پیدا ہوگا تبھی مسلمانوں کی شبیہ بہتر ہوگی اور لوگ مسلمانوں کے وجود کو اپنے لئے ایک نعمت تصور کریں گے۔

Scanned with CamScanner

کامیاب زندگی کا راز

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی

اس میں شک نہیں ہے کہ ہم ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جس میں چاروں طرف سے ہم پر فتنوں کی بارشیں برس رہی ہیں، سیاست ومعیشت سے لے کر انفرادی زندگی اور گھریلو ماحول تک ہر جگہ فساد برپا ہے، مسلمان جہاں کہیں آباد ہیں وہ غیروں کے ظلم وستم کا شکار ہیں، آپس کی پھوٹ میں مبتلا ہیں، باطل کی قوتیں ہر جگہ انہیں للکار رہی ہیں اور وہ ان کے خوف ورعب سے دبتے اور پستے چلے جارہے ہیں، اسلام جو ان تمام مصائب کا واحد علاج تھا عملی زندگی سے خارج ہو چکا ہے، دلوں میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلامی احکام پر ٹھیک عمل کرنا بھی چاہے تو گردو پیش کا فساد اس کے لئے ہر قدم پر رکاوٹ بنے گا، بازار رشوت، سود، قمار اور سٹہ سے بھرے ہوئے ہیں، جھوٹ اور دھوکہ بازی کوئی عیب نہیں رہی، عریانی اور فحاشی کا یہ عالم ہے کہ نگاہوں کو جائے پناہ اور تصور کو راہ فرار نہیں ملتی، قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے اور بات بات پر دوسرے کی جان لینا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے، حلال کمائی کے راستے رفتہ رفتہ کم ہوتے چلے جارہے ہیں اور حرام اور ناجائز آمدنیوں کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، اولاد ماں باپ سے باغی ہو رہی ہے اور اگر اگلے وقتوں کے کچھ لوگ دین کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہونا چاہتے بھی ہیں تو نئی نسل پر قابو پانے کا راستہ سمجھ میں نہیں آتا، قدم قدم پر شر وفساد کے محرکات ہیں جو اس جوان خون کو گمراہی اور بے راہ روی پر آمادہ کر رہے ہیں، نشر واشاعت کے تمام ذرائع اور تفریح وثقافت کے نام پر بداخلاقی کے تمام طریقے اس کے دل سے کھرچ کھرچ کر خدا کا خوف اور آخرت کی فکر مٹا رہے ہیں اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک اس کے لئے اجنبی ہوتا جارہا ہے یہی نسل رفتہ رفتہ آگے بڑھ کر ملک وقوم کی باگ ڈور سنبھال رہی ہے، یہ نوجوان نسل آج بھی اپنے بزرگوں کو کم از کم بے وقوف ضرور سمجھتی ہے، جن کے فکر وعمل کی فہرست میں خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت نام کی کوئی چیز ہوا کرتی تھی، کل جب ملت کی کشتی کا کھیون ہار اس کے سوا کوئی نہیں ہوگا تو اس وقت یہ کیا کیا گل کھلائے گی؟ آج اس کا تصور بھی شاید ہمارے لئے مشکل ہو۔

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ گمراہی کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب آخر کیونکر رکے گا؟ اسے کون اور کس طرح روک سکتا ہے؟ یہ سوالات ہیں جنہوں نے آج ہر مسلمان کو پریشان کیا ہوا ہے اور اب یہ پریشانی بھی رفتہ رفتہ مایوسی میں تبدیل ہونے لگی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ان حالات کا تقاضہ واقعتاً یہی ہے کہ ہم اپنے مستقبل سے بالکل مایوس ہو کر بیٹھ جائیں؟ اور یہ سوچ کر ہاتھ پاؤں ہلانا بھی چھوڑ دیں کہ اس دور میں دین پر عمل کرنا ممکن نہیں رہا؟ اگر آپ ذرا بھی غور فرمائیں گے تو ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ملا ہوگا۔

ماحول کی جس خرابی سے آج ہم دوچار ہیں اس میں اسلام کی سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو مستحکم کرو، آج ہماری پریشانیوں اور بے چینیوں کی اصل جڑ یہ ہے کہ ہم نفس اور مادہ کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں، ہماری نگاہ ہر وقت مادی منافع اور نفسیاتی لذتوں کے سیراب پر مرکوز رہتی ہے اور اللہ کی ذات وصفات پر جو اعتماد ویقین اور اس کی قدرت کاملہ کا جو استحضار ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت تھی، اسے ہم کھو چکے ہیں۔

آج کی دنیا چونکہ اس بے قرار اور سکون نا آشنا زندگی کا اچھی طرح تجربہ کر چکی ہے، اس لئے اس کے واسطے اسلام کی دی ہوئی اس روحانی سکون کی زندگی کی طرف لوٹنا زیادہ آسان ہے، نفس اور مادہ کے گرداب نکلنے کے بعد جب بھی کوئی شخص اللہ سے اپنا رابطہ استوار کرنے کی کوشش کرے گا، اسے پہلے ہی قدم پر اندازہ ہو جائے گا کہ اس کی زندگی میں وہ کیا کمی تھی جس نے اس کے لئے آرام وراحت کے ساتھ وسائل کو بے کیفیت اور بے اثر بنایا ہوا تھا۔

انسان اس کائنات کا خالق ومالک نہیں، وہ کسی کی مخلوق ہے اس کا مقصد زندگی ہی یہ ہے کہ کسی کی بندگی کرے۔

آج ہماری مشکلات کا سب سے کامیاب اور بنیادی علاج صرف یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق مضبوط ہو اور یہ ایک ایسا علاج ہے جسے ہر دور میں ہر وقت کسی رکاوٹ کے بغیر اختیار کیا جاسکتا ہے، اسلام کی تعلیمات میں ''عبادات'' کا شعبہ اسی مقصد کے لئے رکھا گیا ہے کہ اگر ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کر لیا جائے تو عبادات کے یہ طریقے اللہ کے ساتھ انسان کے رشتے کو مضبوط اور مستحکم بناتے ہیں، اسلام میں انسان کی کامیاب زندگی کا راز ہے چونکہ یہ ہے تاکہ اللہ کے ساتھ اس کا تعلق استوار ہو اس لئے عبادتوں کو تمام احکام پر مقدم رکھا گیا ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا تقریباً ایک تہائی حصہ ان ہی کی تعلیم وتربیت اور تاکید وترغیب پر مشتمل ہے۔

آج دنیا کے حالات کیسے ہی خراب سہی لیکن اسلامی احکام کا یہ حصہ ایسا ہے کہ معمولی عزم وہمت اور ارادہ کے بعد اس پر عمل چنداں دشوار نہیں ہے، جہاں ان عبادتوں کی ادائیگی میں فی الواقع کوئی دشواری پیدا ہوتی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے خود ایسی آسانیاں پیدا کر دی ہیں جن کے بعد دشواری کے شکوے کا حق باقی نہیں رہتا۔

اگر ہم اللہ کی فرض کی ہوئی ان عبادتوں کو ٹھیک ٹھیک انجام دے لیں تو ان کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی قدرت کاملہ پر مکمل ایمان ویقین پیدا کرتی ہیں اور جب کسی کو ایمان ویقین کی یہ دولت حاصل ہو جائے تو پھر اس کے لئے کوئی مشکل نہیں رہتی، پھر وہ سخت سے سخت حالات میں بھی مایوس نہیں ہوتا۔

آیئے! آخر میں ہم اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی ایک بہترین تدبیر کا اعادہ کریں جو حالات کی اصلاح کے لئے تمام دوسری تدبیروں سے زیادہ کارگر ہے، فرض کیجئے کہ آپ اپنے ماحول کے ہاتھ اپنے آپ کو بالکل مجبور پاتے ہیں، عیش پرستی، عافیت کوشی اور تن آسانی سے عزم وہمت کے ہتھیاروں کو کند کر رکھا ہے اور آپ کسی تدبیر سے اپنے آپ پر قابو نہیں پاسکتے، لیکن ایک کام ایسا ہے جو آپ ہر وقت ہر جگہ، ہر ماحول میں بلا تکلف انجام دے سکتے ہیں آپ اپنے شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں سے تھوڑا سا وقت۔ پانچ منٹ، دس منٹ، اس کام کے لئے نکالئے اور تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے صرف یہ دعا کیجئے کہ یا اللہ! میں اپنے ماحول کے ہاتھوں مجبور ہو چکا ہوں، اپنی اصلاح کی ہر تدبیر ناکام ہو چکی ہے، عزم وہمت ناکارہ ہو چکے ہیں، میں اپنے اندر اتنی طاقت نہیں پاتا کہ تن تنہا ماحول کی ان تاریکیوں کا مقابلہ کر سکوں، تو اپنے فضل وکرم سے میری مدد فرما، میرے عزم وہمت کو بیدار فرما، مجھے اپنے دین کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی طاقت وتوفیق عطا فرمائے!

اگر کوئی شخص روزانہ پابندی کے ساتھ خلوص دل اور صدق نیت سے یہ کام کر لیا کرے تو تجربہ یہ ہے کہ اس عمل سے مشکلات کی ساری گرہیں ایک ایک کھلتی چلتی جائیں گی، دل میں نیا عزم، نئی ہمت، نئے ولولے اور نئے حوصلے پیدا ہوں گے اور بالآخر یہ مختصر سا عمل ایک نہایت خوشگوار دینی انقلاب کی تمہید بن جائے گا۔

موبائل کے مثبت اور منفی اثرات

محترمہ اقرأ قریشی

بہت عرصے سے میں اس بات سے کافی پریشان ہوں کہ سائنس وٹیکنالوجی کا جو تحفہ ہمیں اس صدی میں ملا ہے کیا یہ واقعی ہماری بھلائی کیلئے ہے۔ جی ہاں! موبائل اور انٹرنیٹ، ویسے تو سب اس کے شکار ہیں، چاہے وہ نوجوان ہوں یا عمر دراز...... موبائل اور انٹرنیٹ آج کے زمانے کی ایک ایسی سہولت ہے جس کا استعمال اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس نے اپنی اہمیت ہی کھو دی۔ یہاں میرے کہنے کا مطلب ہے کہ ان کا استعمال فائدہ مند چیزوں کے بجائے فضول کاموں میں ہو رہا ہے۔

میں آپ سب سے ایک حالیہ تجربہ شیئر کرنا چاہوں گی جس کی وجہ سے میں نے یہ مضمون لکھا۔ میں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں پرسنالٹی ڈیولپمنٹ پر ایک سمر ورکشاپ کی۔ میری کلاس میں تقریباً ۴۰ طلبہ نے شرکت کی۔ پہلے ہی دن جب تعارفی کلاس ہوا، جس میں ہر طالب علم کا بنیادی تعارف لیا جاتا ہے، پڑھائی لکھائی، عادات، مقاصد اور یومیہ مصروفیات کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ طلبہ نے مجھ سے کچھ ایسی باتیں شیئر کیں جن سے میں حیران اور پریشان ہو گئی۔ ۴۰ میں سے تقریباً ۳۵ طلبہ نے یہ اعتراف کیا کہ وہ دو تین بجے سے پہلے نہیں سوتے کیوں کہ ان کے پاس لیپ ٹاپ، کمپیوٹر یا موبائل انٹرنیٹ کے ساتھ ہے۔ ویسے تو اس پریشانی سے آج کل ہر کوئی جوجھ رہا ہے اور سب کو یہ پتہ بھی ہے کہ اس کے نقصان کتنے گہرے ہوتے ہیں۔ لیکن اس ٹیکنالوجی کے چنگل سے نکلنا اتنا آسان نہیں لگ رہا ہے۔ بچوں نے یہ شیئر کیا کہ وہ انٹرنیٹ پر کیا استعمال کرتے ہیں۔ سوشل نیٹ ورکنگ ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ سرگرمی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد طلبہ نے ویڈیو دیکھنے کی لت کا بھی ذکر کیا۔ چند نے یہ بتایا کہ ہم اپنی پڑھائی سے متعلق سرچ کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ بھی ایک پریشانی ہے کہ وہ اس اچھے کام کیلئے بھی وقت کو بھول جاتے ہیں۔

جب میں نے ان معاملات کو تفصیل سے سمجھا اور وجوہات تلاش کی تو کچھ بہت ہی عجیب باتیں سامنے آئیں، کچھ ایسی عادتیں یعنی لت طلبہ کو ہونے لگی ہے۔ جس کا غلط اثر ان کی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور روحانی ترقی پر تیزی سے پڑ رہا ہے۔ میں صرف ایک ہی مثال سے سمجھانا چاہوں گی، مثال کے طور پر ایک اسکول وکالج جانے والا بچہ یا بچی رات کے دو بجے تک انٹرنیٹ کا استعمال سوشل نیٹ ورکنگ یا اپنی پسندیدہ چیزوں کو سرچ کرنے میں کرتے ہیں تو آپ ہی بتائے کہ اس کی شخصیت پر کس طرح کا برا اثر پڑتا ہوگا۔

جسمانی: اس کی آنکھ اور اس کی نیند پر بہت منفی اثر۔

ذہنی: حاضر دماغ اور ذہانت پر جذباتی، وہ جو اثرات سوشل نیٹ ورکنگ اور بیکار کی چیزوں کے بارے میں اس کے احساسات اور سوچ پر پڑتے ہیں۔

روحانی: وہ بچہ یا بچی روحانی ترقی سے کوسوں دور ہو جاتے ہیں، کیوں کہ انٹرنیٹ پر دکھاوے اور مصنوعی زندگی کے علاوہ اسے کچھ نہیں بھاتا۔

پرسنالٹی ڈیولپمنٹ ٹریز ہونے کے ناطے میں اپنے طلبہ اور پڑھنے والوں سے کہنا چاہوں گی کہ اپنی مجموعی ترقی کیلئے موبائل انٹرنیٹ کا صحیح حساب اور صحیح وقت پر استعمال کرنا شروع کریں۔ یہ لت اتنی بڑھ گئی ہے کہ سائنس نے اسے فنٹوم وائبریشن سنڈ ورم نام دیا ہے۔ یہ ایک ایسا سنڈ روم ہے جس میں انسان کو ہر وقت موبائل بجتا یا وائبریٹ ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ سے موبائل کو الگ نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ گھر کے واش روم میں بھی فون لے جائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آفس کی بات کریں تو وہاں لیپ ٹاپ یا کمپیوٹر ہوتا ہے لیکن ہم کو یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہم ان کا کام شروع کرنے سے پہلے اپنی ذاتی سائٹس لاگ ان کر لیں۔ اس ٹیکنالوجی کے غیر ضروری استعمال نے انسان کو سیلف کنٹرول بالکل کر دیا ہے۔ ہم دن بہ دن اصلیت میں الگ تھلگ ہوتے جارہے ہیں۔ اپنے گھر اور آفس میں براہ راست آپس میں بات نہیں کرنا پسند کرتے ہیں بلکہ اپنے اپنے موبائل میں لگے رہتے ہیں۔ میٹرو میں اگر سفر کریں تو لگے گا کہ ہم بس اپنے میں مگن ہیں۔ ائیر فون کا لگاتار استعمال کانوں کے پردوں کیلئے نقصان دہ ہے۔ پہلے زمانے میں سفر کے دوران انسان انسان سے بات کرنا پسند کرتا تھا...... ادھر ادھر کے نظاروں پر غور کرتا تھا لیکن اب بس وہ اور اس کا موبائل ہے۔ گھروں میں بات چیت کا دور بالکل ختم ہوتا جارہا ہے۔ گھر کے افراد بھی انٹرنیٹ سے بات کرنے لگے ہیں، لوگ احساس کمتری کا شکار ہونے لگے ہیں کیوں کہ وہ ہر بات سوشل میڈیا پر شیئر کر رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ان کی مائیں بہلانے کیلئے موبائل دے دیتی ہیں۔ کافی مرتبہ ماں باپ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کا بچہ بہت اچھا موبائل چلاتا ہے۔

میرے حساب سے کوئی بھی سہولت کی چیز کا زیادہ استعمال غلط ہے۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کچھ لوگ بغیر کسی جائز وجہ کے بھی دو موبائل رکھنے لگے ہیں۔ ایک ٹریز کے ناطے یہی کہنا چاہوں گی کہ اس زبردست ٹیکنالوجی کا صحیح استعمال کریں۔ اپنا سیلف کنٹرول کھویا جائے اور کچھ ترکیبیں آج کل کے نوجوانوں کو دینا چاہوں گی تاکہ وہ انٹرنیٹ اور موبائل کی لت سے بچ سکیں اور اپنی زندگی سستی کے بجائے بھرپور جوش کے ساتھ گزاریں۔

موبائل آف کرنے کی عادت ڈالنا ضروری ہے۔ ہر وقت آن رکھنے اور اپنے پاس رکھنے سے خود پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ غیر ضروری ایپس اور رابطہ نمبر سے بچنا چاہئے۔ رات کو بہت ضروری ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے انٹرنیٹ اور موبائل بند کر دیا جائے۔ ☆ اندھیرے میں بالکل برائٹ اسکرین کا استعال کرے آنکھوں پر بہت اثر پڑتا ہے۔ ☆ بڑوں کو گھر میں ایسے ضابطے بنانے چاہئے جس میں سب افراد آپس میں بات چیت اور ایک دوسرے کو وقت دیں۔ ☆ سوشل نیٹ ورکنگ کا ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کریں۔ کسی بھی قسم کی احساس کمتری یا برتری سے بچنا چاہئے۔ ☆ کھانا کھانے کے وقت موبائل اور لیپ ٹاپ کو اپنے سے دور رکھنا چاہئے۔ اسی طرح روڈ سیفٹی کیلئے ڈرائنگ کے وقت بھی اس کے استعمال سے بچنا چاہئے۔ ☆ پہلے کے زمانے کی مستند سرگرمیوں کو دوبارہ اپنانا چاہئے جیسے کتابوں کا مطالعہ، جسمانی سرگرمیاں وغیرہ۔ ☆ ہفتے میں کم سے کم ایک دن کے لئے موبائل، انٹرنیٹ، لیپ ٹاپ کا استعمال بالکل نہیں کرنا چاہے۔ اس سے آپ کے اندر خود کو قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ ☆ میرے لئے سب سے اہم ہدایت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک اصول بنالیں کہ اگر ہم اپنے بڑے بزرگوں یا اپنے بچوں کے ساتھ ہوں گے تو ہم موبائل کے استعمال سے پرہیز کریں گے۔ ان لوگوں کو ہماری باتوں کی اور ہماری توجہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔

☆ میں امید کرتی ہوں کہ اگر کچھ دن تک ہم نے ان نکات کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا تو ہماری جسمانی، ذہنی اور جذباتی ترقی بہت ہی خوبصورت اور مثبت انداز میں ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب، لکھنؤ)

Scanned with CamScanner

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

دس اکتوبر کو انتخاب امیر کے اجلاس کے لیے ارکان شوریٰ نے لیا تیاریوں کا جائزہ

ارکان شوریٰ کی اکثریت نے دس اکتوبر ۲۰۲۱ء کو امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے آٹھویں امیر شریعت کے انتخاب کی تاریخ طے کر دی ہے۔ نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی کے ساتھ امارت شرعیہ اور اس کے ملحقہ تمام اداروں کے ذمہ داروں و کارکنان نے شوریٰ کے اس فیصلہ کی تائید و توثیق کر دی ہے، امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ ٹرسٹ اور مجلس عاملہ امارت شرعیہ کے ارکان کی اکثریت نے بھی دس اکتوبر کے اجلاس کو منظوری دے دی ہے۔ شوریٰ کے فیصلے کے مطابق امارت شرعیہ میں اجلاس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ اس سلسلہ میں ۲۱ر ستمبر کو مجلس شوریٰ کے معزز اراکین نے نائب امیر شریعت، قائم مقام ناظم امارت شرعیہ اور دیگر ذمہ داروں کے ساتھ امارت شرعیہ کے میٹنگ ہال میں ایک مشاورتی نشست میں شرکت کی۔ اس نشست میں دس اکتوبر کے اجلاس کی تیاریوں کا جائزہ لیا گیا اور اجلاس کے تعلق سے کئی اہم امور طے ہوئے۔ میٹنگ میں طے ہوا کہ قائم مقام ناظم صاحب اپنے دستخط سے حسب فیصلہ ارکان شوریٰ خطوط ارسال کریں اور دوسرے کام اسی طرح انجام دیں جو کہ نصف سے زائد ارکان شوری نے ان کو تحریری طور پر دیے ہیں۔ یہ بھی طے ہوا کہ ملک کے چند موقر علماء کرام کو بطور مشاہد اجلاس میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا جائے۔ اکابر علماء کرام کے نام یہ دعوت نامہ دستی ایک نمائندہ وفد کی معرفت بھیجا جائے، جس کی قیادت نائب ناظم امارت شرعیہ مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب کریں گے۔ میٹنگ میں یہ بھی طے ہوا کہ اجلاس کی تیاری اور اس کے نظم و نسق کو بہتر طریقہ سے انجام دینے کے لیے جلد از جلد ایک مجلس استقبالیہ بنالی جائے۔ مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب قائم مقام ناظم امارت شرعیہ نے شرکاء کو بتایا کہ شوریٰ کے فیصلہ پر عمل درآمد کا آغاز ہو چکا ہے۔ حضرت نائب امیر شریعت کی دلی خواہش ہے کہ ۱۰ر اکتوبر کو امیر شریعت ثامن کا انتخاب بہتر ماحول میں ہو جائے، حضرت نائب امیر شریعت کے مفید مشورے کی روشنی میں ہم کام کر رہے ہیں، قائم مقام ناظم صاحب نے بتایا کہ بعض لوگ نائب امیر شریعت کی پرانی ویڈیو جاری کر کے یہ تأثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ نائب امیر شریعت مورخہ دس اکتوبر کے اجلاس پر راضی نہیں ہیں، جو بالکل غلط ہے، مجھ سے حضرت نائب امیر شریعت نے کہا ہے کہ دفتر کی طرف سے آپ اس کی تردید کر دیں، ایسے لوگ فتنہ پیدا کر رہے ہیں، ان شاء اللہ ہر حال میں اجلاس مورخہ دس اکتوبر ۲۰۲۱ء کو طے شدہ مقام پر ہوگا۔ ملک کے وہ اکابر علماء جن پر امت کا بڑی حد تک اعتماد ہے، ان میں کچھ اہم شخصیات جیسے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے علاوہ کئی موقر علماء کرام کے نام بطور مشاہد شرکت کے لیے حضرت نائب امیر شریعت نے خطوط لکھے ہیں، جسے مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب ایک وفد کے ساتھ لکھنؤ دیوبند اور سہارن پور گئے ہیں۔ اور ارباب حل و عقد کے نام خطوط تیار کر لیے گئے ہیں، وہ خط بھی حضرت نائب امیر شریعت نے دیکھ کر ترسیل کی ہدایت دی ہے، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ حکومت و انتظامیہ کے جن افسران اور شعبوں میں اجلاس کی اجازت کے لیے اور تحفظ و نظم و نسق کی یقین دہانی کے لیے خطوط بھیجنے تھے وہ بھی بھیجے جا چکے ہیں۔ جلسہ گاہ کے تعلق سے ضروری کام شروع ہو چکے ہیں۔ آج کی اس مشاورتی نشست میں نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب اور مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب قائم مقام ناظم کے علاوہ ارکان شوریٰ اور ذمہ داران امارت شرعیہ نے اس نشست میں شرکت کی۔ آخر میں حضرت نائب امیر شریعت کی دعا پر نشست ختم ہوئی۔

امارت شرعیہ ملی وحدت کی روشن علامت

امارت شرعیہ ملک کی ایک منفرد دینی، ملی وفلاحی تنظیم ہے، جس کا قیام سو سال قبل عمل میں آیا، اس کے قیام کا مقصد مسلمانوں کو کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اتحاد کی لڑی میں پروئے رکھنا اور مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں احکام شریعت کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرنا ہے، اس تنظیم نے اپنی سو سالہ تاریخ میں اپنے قیام کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے جو کوششیں کی ہیں، وہ تاریخ کا ایک انمول حصہ ہیں، تنظیم کوئی بھی ہو اس کی سب سے بڑی قوت اس کی بہترین تنظیمی صلاحیت اور قوت ہوتی ہے، اسی لئے تنظیم امارت شرعیہ کے ڈھانچہ کو مضبوط و مستحکم رکھنے کے لئے امارت شرعیہ کے زیر اثر بہار اڈیشہ و جھارکھنڈ جیسے صوبوں میں گاؤں گاؤں تنظیم امارت کے قیام کی عملی کوشس ہو رہی ہے، اس وقت دس ہزار سے زیادہ مسلم آبادیوں میں تنظیم امارت قائم ہے، لیکن بے شمار آبادیاں ایسی ہیں جہاں تنظیم امارت اب تک قائم نہیں ہو سکی ہے، امارت شرعیہ کے موجودہ ذمہ داران اس کے لئے پوری طرح فکر مند ہیں کہ اس کام کو مکمل کرنے پر پوری توجہ دی جائے، میری آمد آپ کی آبادی میں اسی غرض سے ہوئی ہے، کہ اس علاقہ میں جن آبادیوں کے اندر تنظیم امارت قائم ہے اس کو مستحکم کیا جائے اور جہاں تنظیم قائم نہیں ہے وہاں تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے، ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے ملی وجود کا انحصار اسی تنظیمی قوت میں ہے، یہ باتیں جناب مولانا محمد ظہیر الحسن شمسی صاحب مبلغ امارت شرعیہ نے کیسریا بلاک ضلع مشرقی چمپارن کے اپنے حالیہ تنظیمی دورے کے موقع پر کہی، انہوں نے مختلف مقامات پر اپنے بیانات کے ذریعہ تنظیم کی ضرورت و اہمیت کو سمجھایا، قدیم تنظیموں کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں بحیثیت نقیب و نائب نقیب اپنی ذمہ داریوں کو مستعدی کے ساتھ انجام دینے کی تلقین کی، جن جگہوں پر پہلے سے تنظیم قائم ہے اور وہاں نقیب یا نائب نقیب انتقال کر چکے ہیں مولانا موصوف نے ان تنظیموں کے لئے از سر نو نئے نقیب و نائب نقیب منتخب کئے، ان میں رام پور ٹولہ اَلے پور کے لئے محمد ظفر امام ابن مولانا قمر الامام نقیب و امتیاز ابن عبدالستار نائب نقیب، گونچھی ملکی محلّہ کے لئے ماسٹر شکیل الرحمٰن ابن فیض الرحمٰن نقیب، رام پور کونڈر کے لئے توقیر احمد ابن عبدالاحد نائب نقیب، رام پور کونڈر شمالی محلّہ کے لئے پروفیسر شفیع اللہ ولد محمد اسماعیل نائب نقیب، کسہر شیخ ٹولی کے لئے محمد شمیم ابن نیک محمد نقیب، محمد کلیم اللہ بن محمد خلیل نائب نقیب، کسہر ٹولہ مٹھیا کے لئے معین الحق ابن نعیم الدین نقیب۔ مولانا محمد ظہیر الحسن شمسی صاحب نے تمام نو منتخب نقباء و نائبین کو نقیب کے منصب کی عظمت اور ان کی ذمہ داریوں سے روشناس کرایا اور کہا کہ آپ سب اپنی آبادیوں میں امیر شریعت امارت شرعیہ کے براہ راست نمائندہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس راہ سے دین و ملت کی خدمت کا ایک سنہرہ موقع عطا کیا ہے، دنیا کے عہدے اور مناصب وقتی اور عارضی ہوتے ہیں، لیکن یہ دینی منصب دنیا کے لئے بھی عزت کا سامان اور آخرت کے لئے بھی سرخروئی کا ذریعہ بنے گا۔ آپ سب کی ذمہ داری ہے کہ جب بھی امارت شرعیہ کا کوئی پیغام آپ تک پہونچے آپ اس کو دوسروں تک پہونچانے کی کوشش کریں اور سب سے پہلے اس پیغام کو اپنی عملی زندگی میں اتارنے کا عزم رکھیں۔ نو منتخب نقباء و نائبین کو امارت شرعیہ کی طرف سے سند نقابت بھی دی جاتی ہے، جس میں ان کے حلقہ کی تعیین اور ان کی ذمہ داریاں درج ہوتی ہیں۔ انشاء اللہ ان نو منتخب نقباء و نائبین کو جلد ہی سندیں وصول کرادی جائیں گی۔ (رپورٹ شعبۂ تنظیم امارت شرعیہ)

شعبۂ تبلیغ و تنظیم سے منسلک ہو کر خدمت انجام دینے کے خواہش مند حضرات متوجہ ہوں

امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ قوم و ملت کا ایک عظیم سرمایہ اور اہم دینی، تعلیمی، سماجی و فلاحی سو سالہ قدیم ادارہ ہے، جس کی خدمات کی روشن اور تابناک تاریخ ہے، بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رحمہ اللہ علیہ نے جن شعبوں پر امارت شرعیہ کی بنیاد رکھی تھی ان میں دو اہم شعبے تبلیغ و تنظیم بھی شامل ہیں، امیر شریعت اول بدر الکاملین حضرت مولانا شاہ بدر الدین قادریؒ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ سے لے کر اب تک کے تمام امراء شریعت نے اس شعبہ پر خصوصی توجہ فرمائی، حضرت نائب امیر شریعت مولانا محمد شمشاد رحمانی دامت برکاتہم نے حالات اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے تمام اضلاع اور علاقوں کے لئے بڑی تعداد میں دعاۃ اور مبلغین بحال کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے تاکہ ہر علاقہ میں بروقت اسلام کی صحیح روشنی اور امارت شرعیہ کا پیغام ان تک پہنچ سکے اور تنظیم کا استحکام ہو، وہاں کے لوگ اسلامی تشخص اور شعار کے ساتھ باعزت شہری کی حیثیت سے زندگی گذار سکیں اور انکی مختلف فتنوں سے حفاظت ہو سکے، حضرت نائب امیر شریعت صاحب کی ہدایت کو بروئے کار لانے کی غرض سے امارت شرعیہ کے قائم مقام ناظم جناب مولانا محمد شبلی القاسمی نے اعلان کیا ہے کہ جو حضرات علماء امارت شرعیہ کے شعبہ تبلیغ و تنظیم سے منسلک ہو کر قوم و ملت کی گراں قدر خدمات انجام دینا چاہتے ہوں وہ جلد اپنی درخواست ناظم امارت شرعیہ کے نام مرکزی دفتر امارت شرعیہ میں ارسال کر دیں، درخواست صاف اور اپنی تحریر میں لکھیں، نیز اپنا مکمل پتہ اور موبائل نمبر بھی ضرور تحریر کریں، تعلیمی اسناد کی عکسی کاپی بھی درخواست کے ساتھ بھیجیں۔ درخواست بذریعہ ڈاک، ای میل اور وہاٹس ایپ بھیج سکتے ہیں، پتہ اور نمبرات درج ہیں، درخواست بھیجنے کے بعد دیئے گئے نمبرات میں سے کسی سے رابطہ کر کے درخواست بھیجنے کی اطلاع دے کر انٹرویو کے سلسلہ میں معلومات حاصل کرلیں۔ بذریعہ ڈاک درخواست بھیجنے کا پتہ: ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ 801505۔ ای میل tanzimimaratshariah@gmail.com۔ وہاٹس ایپ نمبر: وہاٹس ایپ نمبر:

7250667423-8002105787-9939088124

مواد کا سو فیصد فہم مکمل کامیابی کا پہلا اسٹیج ہے: سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر

جامعہ رحمانی مونگیر میں ۱۵ر ستمبر سے آف لائن تعلیم کا آغاز ہو گیا، جولائی سے آن لائن تعلیم الحمد للہ جاری تھی، حالات سازگار ہونے کے بعد جامعہ رحمانی تعلیم کے لیے طلبہ کو بلایا گیا ہے، اس موقعہ پر افتتاحی تقریب میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے جامعہ رحمانی کے سرپرست حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب مدظلہ سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر نے کہا کہ علم حاصل کرنے کی غرض رضائے الٰہی ہونی چاہئے، خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جب علم حاصل کریں گے، تو اس کے اچھے نتائج اور ثمرات ظاہر ہوں گے، ویسے تو ہر مومن کی نماز، عبادت اور موت و زیست ہر چیز اللہ کی رضاء کے لیے ہونی چاہئے، اس کے بغیر سب بیکار ہے، طلبہ کے لیے یہ اور بھی اہم ہے، انہوں نے کہا کہ آپ سو فیصد کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کیجئے، یہ کامیابی کا کمتر درجہ ہے، ہم پچپن فیصد کامیابی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، اور پینتالیس فیصد چھوڑ دیتے ہیں، جو انتہائی غلط ہے، موبائل کو دکھا کر انہوں نے طلبہ سے پوچھا کہ آپ کو پورا سو فیصد موبائل چاہئے، یا اس کا پچپن فیصد یعنی آدھے سے تھوڑا زیادہ، یقیناً اسے کوئی نہیں لے گا، کیونکہ اس طرح پورا موبائل بیکار ہو جائے گا۔ حضرت نے کہا کہ اسباق کا پہلے مطالعہ نہایت ضروری ہے، مضمون اور باب شروع کرنے سے پہلے معلوم کر لیجئے کہ اس سے متعلق پانچ کون اہم سوال ہیں، یہ چیز آپ کو ماہر اور محقق بنائے گی، انہوں نے طلبہ سے صاف ستھرا رہنے اور صفائی پسند بننے کی ترغیب دی، اور کہا کہ یہ اس لیے قابل توجہ ہونی چاہئے کہ اسلام میں اسے بڑا مقام حاصل ہے۔ اس سے قبل جناب مولانا مفتی محمد اظہر صاحب مظاہری استاذ حدیث جامعہ رحمانی نے کہا کہ مسلسل مطالعہ سے علم میں گیرائی اور گہرائی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح کتابوں کا ادب، اساتذہ، درسگاہ اور علم کا ادب نہایت ضروری چیز ہے، اس سے علم میں برکت پیدا ہوتی ہے، انہوں نے کہا کہ آپ کا یہ مزاج بننا چاہئے کہ اسباق کی حاضری و غیر حاضری پر خوشی و رنج ہو، جناب مولانا جمال اکبر صاحب استاذ جامعہ رحمانی نے کہا کہ جدوجہد اور قربانیوں سے علم آتا ہے، آپ جامعہ رحمانی آئے ہیں، اپنی پوری توجہ حصول علم میں لگا دیجئے، خاص طور سے تحریر و تقریر سیکھنے پر اپنی توجہ مبذول کیجئے، جس کا یہاں اچھا نظام قائم ہے، جناب مولانا محمد نعیم صاحب رحمانی استاذ حدیث جامعہ رحمانی نے کہا کہ آپ تمام طلبہ کا جامعہ رحمانی میں استقبال ہے، یہاں کے ماحول میں خود کو رچا یئے بسایئے، یہاں کے علمی ماحول سے فائدہ اٹھایئے، اور تمام طرح کے پروگراموں میں شرکت کیجئے، ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

اس موقعہ پر امیر شریعت سابع حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے تمام بزرگوں، عام مسلمین اور مدارس اسلامیہ و دینی مراکز کے لیے دعاء کی گئی، حضرت مولانا احمد فیصل رحمانی کی دعاء پر اجلاس اختتام پذیر ہوا، تقریب کا آغاز جناب قاری نظام الدین صاحب استاذ جامعہ رحمانی کی تلاوت سے ہوا، حضرت مولانا احمد ولی فیصل صاحب رحمانی نے اس موقعہ پر اردو صحیح لکھئے کتاب کا اجراء کتاب کے مصنف جناب مولانا رضاء الرحمان رحمانی استاذ جامعہ رحمانی مونگیر کو پیش کر کے کیا، یہ وہ کتاب ہے، جو حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں لکھی گئی ہے، حضرت کو یہ کتاب بیحد پسند تھی، اردو کے طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے یہ کتاب یکساں مفید ہے۔ یہ کتاب دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

اردو صحافت-چند گذارشات

سلمان عبد الصمد - نئی دھلی

صحافت یا میڈیا کو یوں ہی جمہوریت کا چوتھا ستون تسلیم نہیں کرلیا گیا ہے، بلکہ جمہوریت کے استحکام، سیکولرزم کے فروغ اور سماج کا رخ موڑنے میں اس کا نا قابل فراموش کردار ہوتا ہے، ظاہر ہے وہی صحافت اپنا فرض منصبی ادا کرسکتی ہے، جو بے باک ہو، بے لاگ ہو، بے لوث ہو اور غیر جانبدار بھی، ایسی ہی صحافت سے سماج کے لئے امیدیں وابستہ کرنا عقل مندی ہے، اگر صحافت اپنے فرض منصبی کی ڈگر سے ہٹ جائے تو یہ روش ملک وقوم کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے، صحافیوں کا خمیر بے با کی، بلند حوصلگی، اولوالعزمی اور اصول پسندی، ساتھ ہی ساتھ دوراندیشی سے تیار ہونا چاہئے تا کہ صحافت سے معاشرے کی فلاح کا کام لیا جاسکے، مگر بدقسمتی سے ان دنوں صحافت کے زمینی حقائق کچھ ایسے ہیں، جن کے مدنظر یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ صحافت اپنی ڈگر سے کسی حد تک ہٹتی نظر آرہی ہے، جرأت وحق گوئی پر مصلحت ومادیت کی چادر ڈال دی گئی ہے، لہذا سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صحافت سماج کے لئے کارآمد ثابت ہوسکتی ہے؟ کیا ایسی صحافت سے امیدوں کی وابستگی درست ہے اور کیا ایسی صحافت جمہوریت کے استحکام اور فروغ میں معاون ہے؟

صحافت کا معاشرے سے اٹوٹ رشتہ ہے، چنانچہ جس طرح معاشرے پر صحافت کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اسی طرح معاشرے کے اثرات صحافت پر بھی پڑتے ہیں۔ دراصل صحافت معاشرے کی آئینہ دار ہے، موجودہ حالات کی عکاس ہے:

''جیسا سماج اور معاشرہ ہوگا، ویسا ہی میڈیا ہوگا، اگر سماج میں برائیاں عام ہیں تو میڈیا انہیں چیزوں کو دکھائے گا، خواہ اس کے اثرات اچھے ہوں یا برے''

آج معاشرہ بدعنوانی کی تپش سے بے حال ہے، ظاہر ہے کہ صحافت پر بھی اس کا ہی رنگ چڑھے گا، لیکن یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ معاشرے کا رخ موڑنے میں صحافت کا قابل ذکر رول ہوتا ہے چنانچہ اگر صحافت یا میڈیا اپنے فرائض کے تئیں بیدار ہوکر بدعنوانی اور بے راہ روی کو دور کرنے کی کوشش کرے تو اس کی کوششوں کو کوئی روک نہیں سکتا ہے۔

صحافیوں سے معاشرے کا جو لطیف رشتہ ہے، اسے پوری دنیا بہ خوبی محسوس کرتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اسی رشتے کی بنیاد پر صحافیوں نے قوم وملک کے درمیان روح پھونکنے میں کامیابی حاصل کی، ہندوستانی صحافت نے جہاں تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش چھوڑے، وہیں ہندوستان کو انگریزوں کے ناپاک چنگل سے آزاد کراکر سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا، ہندوستانی صحافت کے اس کارنامے کو سیکولرزم کے فروغ کے حوالے سے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے، صحافت کے اس روشن باب میں اردو صحافت کو مرکزیت حاصل ہے، ''تاریخ اسے کیسے فراموش کرے گی وہ جنگ جو اردو صحافت نے لڑی ہے''۔ مجاہدین آزادی اس سے بخوبی واقف تھے کہ لوگوں کے دلوں کو اپیل کرنے اور ان کے اندر آزادی کا جذبہ بھرنے میں صحافت سے جو کام لیا جاسکتا ہے، وہ کسی بھی ذریعہ سے ممکن نہیں، مولانا آزاد ایک شعلہ بیاں اور دلوں پر جادو کردینے والے مقرر بھی تھے، مگر اس کے باوجود بھی انہوں نے صحافت کو ترجیحی بنیاد پر وسیلۂ اظہار بنایا۔ صحافت کے پرتاثیر ذریعہ پر ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی لکھتے ہیں:

''ہندوستان کی تاریخ صحافتی تاریخ کے بغیر نامکمل رہے گی، ایک صحافی کی شہادت ہماری جہد آزادی کا نقطۂ عروج ہے، جیسے جیسے آزادی کا کارواں آگے بڑھا گنگا تلک دھر، لالہ لاجپت رائے، یہاں تک کہ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر امبیڈکر نے بھی قلم کا سہارا لیا اور صحافت کے ذریعہ جنگ آزادی کو تقویت پہنچائی، ان علم کے دھنیوں نے قلم اس لئے تھاما کہ لوگوں سے جڑنے کا وسیلہ تھا''۔

اردو صحافیوں کی نوک قلم سے انگریز کس طرح خائف سے تھے، اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلاتفریق مذہب وملت جدوجہد آزادی کے زمانہ میں سب سے زیادہ نشانے پر انگریزوں نے اردو صحافیوں کو لیا، جس نازک دور میں باضابطہ اردو صحافت کا آغاز ہوا، اس دور میں ممکن ہی نہیں تھا کہ کسی جانبداری کو ہوا دی جائے، چنانچہ اردو صحافت نے اس ماحول میں یعنی اپنے ابتدائی دور میں جو کچھ اسے سیکولرزم کے فروغ کے تناظر میں انتہائی کامیاب کردار کہا جاسکتا ہے، خاص طور سے صحافت کی آڑ میں اردو صحافیوں نے اسلامی حمیت کو جگا کر آزادی کی شمع فروزاں کرانے کی جو کوشش کی ہے، اس کی مثال کسی بھی زبان کی صحافت میں نہیں ملے گی اردو صحافت کے علاوہ کسی زبان کی صحافت کو یہ فخر بھی حاصل نہیں ہے کہ اس نے اول دن سے توپوں کا مقابلہ کیا ہو، اردو صحافت کو یہ بھی ناز ہے کہ اس نے حب الوطنی کے محاذ کی قربان گاہ پر اپنی تاریخ کے اولین صحافی مولانا محمد باقر کی قربانی دی، آزادی کی لڑائی فقط کسی طبقے کی نہیں تھی، کسی ایک گروہ کی نہیں تھی، پورے ملک کی تھی، پورے قوم کی تھی، اس میں اردو صحافیوں کے ذریعے انجام دیے گئے کارناموں کو کیسے سیکولرزم سے الگ کرکے دیکھا جاسکتا ہے، بلکہ انہوں نے سیکولرزم کے فروغ میں مذہبی حمیت کو بیدار کیا ہے، مولانا آزاد نے کہا:

''یاد رکھیے ہندوؤں کے لئے ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا داخل حب الوطنی ہے، مگر آپ کے لئے ایک فرض دینی اور داخل جہاد فی سبیل اللہ ہے''

زبان کی تفریق کے بغیر عصر حاضر میں یہ غور وفکر کا موضوع ہے کہ آج صحافت سیکولرزم کے فروغ میں کیا کردار ادا کررہی ہے؟ لوگوں کے دلوں کو جوڑنے میں کس حد تک کامیاب ہے؟ یا پھر صحافت اور صحافتی اداروں پر جانبداری کے جو الزامات لگ رہے ہیں، اس کی آخر وجہ کیا ہے؟

موجودہ دور میں اردو صحافت افراط کی شکار ہے تو دوسری زبان کی صحافت تفریط کی، جہاں اردو صحافت مواد اور زبان وبیان کے لحاظ سے تنزلی کی شکار ہے تو وہیں دوسری بڑی زبان کی صحافت جانبداری کے کھیل میں مصروف۔ جدید تقاضوں کو پورا کرنے سے جہاں اردو صحافت قاصر ہے، وہیں دیگر زبانوں کی صحافت حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے میں بازی لے جانے کی دوڑ میں شامل ہیں، پوری دنیا سے قطع نظر صرف ہندوستانی تناظر میں دیکھیں کہ ایک طبقے کو دوسرے سے متنفر کرنے میں صحافت کس طرح مستعدی دکھا رہی ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، آج صحافت کے لئے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ کیسے لوگوں کو جوڑے، کیسے ایک فرقے کو دوسرے فرقے سے قریب کرے، بقول شخصے:

''مذہب کو مذہب سے دور کرنے میں آج صحافت بڑی بھومیکا ادا کررہی ہے، مگر پھر بھی صحافت مذہب سے دور؟ سیاسی دنیا میں گند پھیلانے میں میڈیا آگے، پھر بھی میڈیا سیاست سے الگ؟ جانبداری اور عصبیت کے فروغ میں صحافت پیش پیش، پھر بھی غیر جانبداری اور رواداری کا سب سے بڑا علمبردار؟ واپ میڈیا تیری بھی کیا قسمت، کیا نرالی ہے تیری شان، تیری کرامت پر کون نہ ہو جائے قربان، قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو''۔

جمہوریت کی خاص طور سے اردو میڈیا کو سوچنا پڑے گا کہ اردو صحافت نے بے سروسامانی کے باوجود اپنے ابتدائی زمانہ میں جتنے اہم کام کیے، اتنے کام ہم اس دور میں کررہے ہیں؟ اردو صحافت نے آزادی کے زمانے میں جس طرح پورے ملک کی نمائندگی کی، کیا آج بھی ہم پورے ملک کی نمائندگی کررہے ہیں یا پھر ہمارا دائرہ محدود ہوگیا ہے اور دن بدن محدود ہوتا بھی جارہا ہے؟ بلکہ جس طبقے کی نمائندگی کے لئے اردو صحافت مشہور ہے، اس کی بھی نمائندگی صحیح معنوں میں نہیں ہو پارہی ہے، یہ انتہائی خوشی کی بات ہے کہ ناموافق حالات میں ہندوستانیوں کو اردو صحافت نے سب سے زیادہ سہارا دیا، مگر موافق اور معمول حالات مُں اولوالعزمی کی روح پھونکنے والی اردو صحافت دگر زبان کی صحافت کی طرح بے راہ روی کی شکار ہوتی جارہی ہے۔

ہندوستانی تناظر میں سچی بات یہ ہے کہ دگر زبانوں کی صحافت سے کہیں زیادہ اردو صحافت پر سیاست حاوی ہے، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اردو صحافت سیاست کی جولان گاہ بن کر رہ گئی ہے، وجہ اس کی کیا ہے اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔

صحافت پر کسی دباؤ یا غلبہ کے تناظر میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''اخبار نویس کے قلم کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہئے اور چاندی وسونے کا سایہ بھی اس کے لئے سم قاتل ہے جو اخبار نویس رئیسوں کی ضیافتوں اور امیروں کے عطیوں کو قومی عطیوں، قومی امانت اور اسی طرح کے فرضی ناموں سے قبول کرلیتے ہیں، وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نورِ ایمان کو بیچیں بہتر ہے''۔

جس طرح آج سیاست سے شفافیت غائب ہوگئی ہے، اسی طرح صحافت سے شفافیت دور ہوتی جارہی ہے، سیاست کا آج صحافت پر غلبہ اور دبدبہ ہے، اسی غلبے کی وجہ سے صحافت کا اہم عنصر غائب ہوتا نظر آرہا ہے، آج شاید 'میڈیا گھرانے' تو آزاد ہیں پر 'جرنلسٹ' نہیں، 'میڈیا کارخانہ' چلانے والے آزاد ہیں، پر 'قلم' چلانے والے نہیں۔

1980 سے عالمی میڈیا کی صورتحال پر رپورٹ پیش کرنے والے امریکی فریڈم ہاؤس کی رپورٹ کے مطابق کارپوریٹ میڈیا گھرانے میں جرنلسٹوں کے الجھنے کے معاملے میں انڈیا 78 ویں نمبر پر ہے، ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ جب بھی میڈیا کے تعلق سے کوئی رپورٹ پیش ہوتی ہے، تو اس کی مخالفت میڈیا گھرانے کرتے ہیں اور فی الفور ایوان میں بیٹھے افراد بھی ان کے ہی سر میں سر ملاتے نظر آتے ہیں، کیوں کہ انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ رپورٹ کی سفارشوں کی عمل درآمدی کے بعد میڈیا کو کھلونا بنانا آسان نہیں رہ جائے گا، جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید میڈیا کی آزادی سیاستدانوں کی آزادی پر قدغن ہے، عمومی تناظر میں دیکھیں تو میڈیا 'آزاد' ہے، اگر نہیں ہے تو جوابدہ نہیں، اس لئے میڈیا اسی وقت مثبت تنقید کرسکتا ہے، جب وہ جوابدہ ہو، یہ عجب بات ہے کہ میڈیا کو جمہوریت کا چوتھا ستون تو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر جمہوریت کے استحکام کے لئے کچھ کام نہیں لیا جاتا (مگر ذاتی مفاد کے لئے تو خوب) ہندوستان میں میڈیا کے ذریعہ جمہوریت کو مفید بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ماضی میں پیش کی گئیں رپورٹس پر عملدرآمد کیا جائے، ورنہ مسلسل میڈیا کے غلط استعمال کی صورت میں ملک کے عوام کو انگریزوں کی ''ورنا کولرا یکٹ'' کا احساس ہوگا، یعنی لوگ یہ محسوس کریں گے کہ پریس کی آزادی بالکل ختم ہوگئی ہے، میڈیا ملک کی بھلائی کے لئے کچھ نہیں کر پارہا ہے، بلکہ وہی چیزیں فروغ دے رہا ہے جو موجودہ حکومت کے مفاد میں ہے، ان کی ذہنیت کو فروغ دینے میں معاون ہے، حالانکہ انگریزوں نے ورنا کولرا یکٹ لاکر عوام کے ساتھ ساتھ صحافیوں اور صحافت سے جڑے گھرانے کو قید کرنے کی کوشش کی، مگر میڈیا آج جس راہ پر گامزن ہے، اس میں عوام کا نقصان ہے اور جمہوریت کا بھی، کیوں کہ میڈیا کو جس طرح پالیسی میکروں سے جوڑنا چاہئے، اس میں کامیابی نہیں مل پارہی ہے اور نہ ہی صحافی مثبت تنقید کر پا رہے ہیں، چنانچہ آج صرف فائدہ میں ہیں تو میڈیا گھرانے اور میڈیا کے سہارے عیش پرست سیاسی لیڈران، اس لئے صحافیوں کی تنقید سے جمہوریت کو مفید بنانے کے لئے ضروری ہے کہ میڈیا گھرانے سے میڈیا کو آزاد کرانے کی کامیاب کوشش کی جائے، صحافت اور صحافیوں کا خمیر دراصل جواں مردی، بلند حوصلگی اور بے باکی سے تیار ہونا چاہئے، مگر اخبار کے مالکان کی مفاد پرستی سے صحافیوں کا جوش وجذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ اگر گہرائی سے دیکھیں تو مفاد پرستی اور مصلحت پسندی کے بوجھ تلے صحافت کراہ رہی ہے اور صحافت کے لئے سب سے بڑا المیہ سیاست بن کر رہ گئی ہے، فی الوقت میرے نظریے سے صحافت کو صحافت سے ہی جنگ درپیش ہے، یعنی اس دور میں صحافت کو صحافت کی آزادی کی جنگ جیتنی ہے۔ صحافت نے غریبوں کی جنگ جیتی ہے، کیا اب صحافت صحافیوں سے صحافت کی آزادی کی جنگ جیت پائے گی؟ اگر اس جنگ میں صحافت کو کامیابی نہیں ملتی ہے تو سیکولرزم اور جمہوریت کمزور ہوجائے گی۔

صحافت کی آزادی کے پس منظر ہی صحافیوں کو میرا پیغام ہے بسمل عظیم آبادی کا یہ شعر:

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

Scanned with CamScanner

ایک مرد آہن کی حق گوئی و بے باکی

مولانا رضوان احمد ندوی

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ ماضی میں مسلمان بڑے سخت کرب وابتلاء سے گذرے ان پر نت نئے ناگفتہ بہ حالات پیش آئے، نشیب وفراز کے ان تمام مراحل میں امت مسلمہ نے آہنی عزم وحوصلہ اور جرأت کے ساتھ نازک ترین حالات کا مقابلہ کیا اور اللہ نے انہیں کامیابی سے ہمکنار فرمایا، کبھی کبھی صلیبوں کی شورش اور تاتاریوں کے حملوں سے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ اب شاید اسلام ان حملوں کی تاب نہ لاسکے گا، ان کی فوجیں ہر کوچہ وبازار میں درندگی، وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کررہی تھیں، شہر جوانوں سے خالی ہوچکے تھے، اس لئے کہ ان کی بڑی تعداد یا تو میدان جہاد میں کام آچکی تھی، یا لڑرہی تھی ایسے پرآشوب حالات میں وقت کے باخبر مصلحین ومجددین، علماء واتقیاء نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنے حریفوں کو شکست دی، اسی طرح تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں اللہ ایسے ممتاز وباحوصلہ افراد کو پیدا کرتا رہا، جنہوں نے الحاد ولادینیت کا پردہ چاک کیا اور مسلمانوں میں نئی طاقت اور نئی زندگی عطا کی، اسلام کو دین خالص کی حیثیت سے اجاگر کیا اور حق کو روشن اور واضح کیا، جب دوسری صدی ہجری میں یونانی فلسفہ سے متاثر ہوکر کچھ روشن خیال لوگوں نے قرآن مجید کی عظمت وآفاقیت پر تیر ونشتر چلانا شروع کیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے جس طرح دنیا کی ساری چیزیں فنا ہوجائیں گی، قرآن مجید بھی ختم ہوجائے گا، فتنہ خلق قرآن ایک ایسا فتنہ تھا کہ اگر اس کو دبایا نہ جاتا تو قرآن مجید کے لفظاً ومعناً کلام الٰہی ہونے کا عقیدہ کمزور پڑ جاتا اللہ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ) کو کھڑا کیا، وہ محدث بھی تھے اور فقیہ بھی، مجتہد بھی اور امام وقت بھی، شب بیدار بھی تھے اور زاہد وقت بھی، یہ ساری فضیلتیں اور خصوصیتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں، لیکن ان کی عظمت وامامت کا اصل راز ان کی عزیمت واستقامت ہے کہ انہوں نے اپنے وقت کے سب سے بڑے فتنہ کا تن تنہا مقابلہ کیا اور دین وشریعت کی حفاظت کی، حکومت وقت نے انہیں ڈرایا، دھمکایا، کوڑے لگوائے، ڈھائی سال تک قید خانے میں ڈال دیا، لیکن ان کے پائے استقامت میں کبھی تزلزل نہیں آیا بلکہ یہ کہتے رہے کہ میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت میں سے کوئی دلیل پیش کرو تاکہ میں اس کو مان لوں، مگر وہ کوئی دلیل نہیں پیش کرسکے۔

حضرت امام بن حنبل نے اس واقعہ کو خود تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کو امام ذہبی نے نقل کیا ہے:۔

''میں جب اس مقام پر پہونچا، جس کا نام بان البستان ہے تو میرے لئے سواری لائی گئی اور مجھ کو سوار ہونے کا حکم دیا گیا، مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں، سوار ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا، آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا، مجھے ایک کوٹھری میں داخل کردیا گیا اور دروازہ بند کردیا گیا، آدھی رات کا پیالہ اور طشت رکھا ہوا ملا، میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی، اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا، معتصم بیٹھا ہوا تھا، قاضی القضاۃ ابن ابی دُواد بھی موجود تھا اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمعیت تھی، ابوعبدالرحمٰن الشافعی بھی موجود تھے، اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی اڑائی جاچکی تھیں، میں ابوعبدالرحمٰن الشافعی سے کہا کہ تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے؟ ابن ابی دُواد نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس سے بہت قریب ہوگیا، اس نے کہا بیٹھ جاؤ، میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا اور بوجھل ہورہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے، خلیفہ نے کہا کہو! میں نے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے کس چیز کی طرف دعوت دی ہے؟ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا کہ "لآ الٰــــہ الا اللہ" کی شہادت کی طرف، میں نے کہا تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ کے جدامجد ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں ایمان کے بارے میں آپ سے سوال کیا، فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ ایمان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، فرمایا اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز کی پابندی، زکوۃ کی ادائیگی اور مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا نکالنا، اس پر معتصم نے کہا کہ اگر تم میرے پیش رو کے ہاتھ میں پہلے نہ آگئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا، پھر عبدالرحمٰن بن اسحٰق کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ اس آزمائش کو ختم کرو، امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ اکبر اس میں تو مسلمانوں کے لئے کشایش ہے، خلیفہ نے علماء حاضرین سے کہا کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، پھر عبدالرحمٰن سے کہا کہ ان سے گفتگو کرو (یہاں امام احمد اس مناظرہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں):۔

ایک آدمی بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا دوسرا بات کرتا، اور میں اس کا جواب دیتا، معتصم کہتا، احمد! تم پر خدا رحم کرے، تم کیا کہتے ہو، میں کہتا ہوں امیر المؤمنین! مجھے کتاب اللہ یا سنت رسولؐ میں سے کچھ دکھائیے تو میں اس کا قائل ہوجاؤں، معتصم کہتا کہ اگر یہ میری بات قبول کرلیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کردوں، اور اپنے فوج ولشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں، پھر کہتا احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے، جیسے اپنے بیٹے ہارون کا تم کیا کہتے ہو، میں وہی جواب دیتا کہ مجھے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہؐ میں سے کچھ دکھاؤ تو میں قائل ہوں، جب بہت دیر ہوگئی تو وہ اکتا گیا اور کہا جاؤ اور مجھے قید کردیا اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کردیا گیا، اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا، یہاں تک کہ زوال کا وقت ہوگیا، جب اکتا گیا تو کہا کہ انکو لیجاؤ، تیسری رات کو میں سمجھا کہ کچھ ہوکر رہے گا، میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا اور جس ازار بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں، اس کو اپنے پائجامہ میں پھر ڈال لیا کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ ہوجاؤں، تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا، دربار بھرا ہوا ہے، میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا، کچھ لوگ تلواریں لئے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لئے، اگلے دونوں کی طرح بہت سے لوگ آج نہیں تھے، جب میں معتصم کے پاس پہونچا تو کہا بیٹھ جاؤ، پھر کہا ان سے مناظرہ کرو اور لوگ گفتگو کرنے لگے، میں ایک کا جواب دیتا، پھر دوسرے کا جواب دیتا، میری آواز سب پر غالب تھی، جب دیر ہوگئی تو مجھے الگ کردیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی، پھر ان کو ہٹا دیا اور مجھے بلالیا، پھر کہا احمد! تم پر خدا رحم کرے، میری بات مان لو، میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں گا، میں نے پہلا جواب دیا، اس پر اس نے برہم ہوکر کہا کہ ان کو پکڑو اور کھینچو اور ان کے ہاتھ اکھیڑ دو، معتصم کرسی پر بیٹھ گیا اور جلادوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلایا، جلادوں سے کہا آگے بڑھو، ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا معتصم کہتا زور سے کوڑے لگاؤ، پھر وہ ہٹ جاتا اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا، انیس کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا اور کہا کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، بخدا مجھے تمہارا بہت خیال ہے، ایک شخص عجیف مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا اور کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو، دوسرا کہتا کہ اللہ کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے، کوئی کہتا کہ امیر المؤمنین! آپ روزے سے ہیں اور آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں، معتصم پھر مجھ سے بات کرتا، اور میں اس کو وہی جواب دیتا وہ پھر جلاد کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ، امام کہتے ہیں پھر اس اثناء میں میرے حواس جاتے رہے جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گی ہیں، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے تم کو اوندھے منہ گرادیا، تم کو روندا، احمد کہتے ہیں کہ مجھ کو کچھ احساس نہیں ہوا (تاریخ الاسلام للذہبی، ترجمۃ الامام احمد: ۴۱-۴۹، باختصار وتلخیص)

اس کے بعد انہیں گھر پہونچا دیا گیا، حضرت امام احمد بن حنبل کی اس بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا اور امت مسلمہ ایک بڑے دینی خطرے سے محفوظ ہوگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے نازک وقت اور فتنہ کے زمانہ میں حق پر جمے رہنا واقعی اولوالعزم لوگوں ہی کا کام ہے، ہماشما تو ایسی ہمت اور پامردی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکے، حضرت امام احمدؒ کی اس اولوالعزمی نے نہ صرف احقاق حق کی ایک مثال قائم کی بلکہ خود ان کا اسم گرامی رہتی دنیا تک کیلئے روشن ہوگیا، حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ اس آزمائش سے قبل آپ کے استاد گرامی حضرت امام شافعیؒ نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کہ آپ فرمارہے ہیں کہ ''احمد بن حنبل کو میری طرف سے سلام پہنچادو اور ان کو لکھو کہ انہیں آزمایا جائے گا اور قرآن کے مخلوق ہونے پر ان کی تائید کرانے کی کوشش کیجائے گی مگر وہ ہرگز ان کی بات نہ تسلیم کریں، اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ قیامت تک ان کے علم کی سربلندی کا انتظام فرمادے گا'' یہ خواب امام شافعیؒ نے امام احمدؒ کے پاس لکھ بھیجا، حضرت امام احمدؒ اسے پڑھ کر آب دیدہ ہوگئے، پھر جو صاحب خط لے گئے تھے انہیں خواب کی بشارت سنائی اور ان کے مطالبہ پر خوشی میں اپنا کرتہ اتار کر عطا کیا، جب وہ صاحب کرتہ لیکر امام شافعیؒ کی خدمت میں واپس آئے تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں یہ کرتہ لیکر تمہیں محروم تو نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ ضرور خواہش ہے کہ اس کرتہ کو پانی میں تر کرکے وہ پانی مجھے دیدو تاکہ میں اس سے برکت حاصل کروں۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۶۸۱/۱۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قبولیت کے سارے دروازے حضرت امام احمدؒ کے لئے کھول دیئے خود خلیفہ کو اپنے اس طرز عمل پر سخت ندامت ہوئی، لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں آپ کی عظمت ومحبت سرایت کرگئی اور آپ کے نام کا غلغلہ پورے عالم میں بلند ہوا جو آپ کو ذلیل کرنا چاہتے تھے وہ خود ذلیل اور رسوا ہوگئے اور آپ کی عزت ورفعت میں برابر چار چاند لگتے رہے، آپ زندگی میں فرماتے تھے کہ ہمارے اور بدعتی کے درمیان فیصلہ اس دن ہوگا جب ہمارے جنازے اٹھیں گے، چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور تاریخ نے حیرت سے یہ واقعہ نوٹ کیا کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو جنازہ میں شرکت کے لئے خلق خدا اتڈ پڑی حتی کہ جب خلیفہ متوکل (جو آپ کا بہت معتقد اور قدرداں تھا) نے اس پوری جگہ کو ناپنے کا حکم دیا جہاں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی تو ۲۵ر لاکھ افراد کی شرکت کا اندازہ لگایا گیا، عبد الوہاب وراق کہتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت اور اسلام کی طویل تاریخ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بڑے کسی جنازہ کا سراغ نہیں ملتا تا آنکہ اس عظیم مجمع کو دیکھ اس دن بیس ہزار مسلم دولت اسلام سے مشرف ہوگئے تھے، اس کے برخلاف آپ کے مخالف علماء احمد بن ابی داؤد، حارث بن اسد، بشر بن غیاث وغیرہ کی وفات پر نہ تو کسی نے غم منایا اور نہ ہی ان کے جنازوں میں سرکاری اور خاندانی لوگوں کے علاوہ کسی نے شرکت کی اور بڑی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں وہ دنیا سے رخصت ہوگئے: فللہ الا مر من قبل و من بعد (البدایۃ والنہایۃ: ۷۹۳/۱۰، بحوالہ دعوت فکر وعمل)

چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل کے مجددانہ کارنامے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا کہ ''جن لوگوں نے اس دینی ابتلاء میں حکومت وقت کا ساتھ دیا تھا اور موقعہ پرستی اور مصلحت شناسی سے کام لیا تھا وہ لوگوں کی نگاہوں سے گرگئے اور ان کا دینی وعلمی اعتبار جاتا رہا، اس کے بالمقابل امام احمد بن حنبلؒ کی شان دوبالا ہوگئی، ان کی محبت اہل سنت اور صحیح العقیدۃ مسلمانوں کا شعار اور علامت بن گئی، ان کے ایک معاصر فقیہ کا مقولہ ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمد بن حنبل سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے، ان کے معاصرین جنہوں نے اس فتنہ کی عالم آشوبی دیکھی تھی ان کے اس کارنامہ کی عظمت کا بڑی فراخ دلی سے اعتراف کیا اور اس کو دین کی بروقت حفاظت اور مقام صدیقیت سے تعبیر کیا، اس عظمت ومقبولیت کا نتیجہ یہ تھا کہ ۲۴۱ھ میں جب امام سنت نے انتقال کیا تو سارا شہر امنڈ آیا (تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۰۱) حق وباطل کا یہ معرکہ آج بھی قائم ہے، دنیا کی سپر پاور طاقتیں پورے دم خم کے ساتھ اسلامی تہذیب وشناخت کو مٹانے کی ہر ممکن جدوجہد میں لگی ہوئی ہیں اور اس کے لئے روز کچھ نئے منصوبے بناتی ہیں، خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ہر صبح وشام خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے ہیں، ان تمام دشواریوں اور صعوبتوں میں ہمیں خدا کے بھروسہ پر جوانمردی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے معیار کو ہمیشہ دوسروں سے بلند رکھنا ہوگا، قربانی اور عزیمت کی راہ اختیار کرنی ہوگی، جس میں کانٹے بھی ہیں اور پھول بھی، آزمائش بھی ہیں اور عنایت بھی، امیدیں بھی ہیں اور اندیشے بھی، ہمت وحوصلہ کے ساتھ مضبوط قدموں کے ساتھ حق کو روشن کرنے کی جدوجہد کرنی ہے اور اپنے کو ایک مثالی امت بن کر دنیا کی صحیح سمت میں رہنمائی کرنی ہے، ہماری تصویر خدا کے سامنے وہ ہونی چاہئے جو مولانا حالی نے ان اشعار میں بیان کیا ؎

شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی — بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
جہاں کردیا گرم گرمائے وہ — جہاں کردیا نرم نرماگئے وہ

Scanned with CamScanner

نکاح کا اسلامی تصور

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔اس کی تکمیل کے لیے انسانوں نے عجیب وغریب طریقے اختیار کیے ہیں۔ کچھ مذاہب کے ماننے والے سمجھتے ہیں کہ یہ بہت قبیح عمل ہے۔ان کا ماننا ہے کہ انسان اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے اس جذبے کو نہ دبائے اور نہ کچلے۔ہم جانتے ہیں کہ عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے۔ان لوگوں میں جنسی جذبے کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کی ترغیب بھی دی جاتی ہے۔ دوسری طرف کچھ لوگوں نے اس کو پورا کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ان کے یہاں کوئی پابندی نہیں ہے۔انسان جس طرح چاہے،اپنے اس جذبے کی تکمیل کر لے۔

اسلام نے جنسی جذبہ کی تکمیل کے لیے صرف نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔اس نے سماج کو حکم دیا ہے کہ تمہارے اندر جو غیر شادی شدہ ہوں ان کے نکاح کراؤ اور وہ نوجوان یا وہ لوگ جو غیر شادی شدہ ہوں ان کو بھی تاکید کی ہے کہ وہ شادی کے بندھن میں بندھ جائیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کردو۔اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا۔اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے''۔(النور: 32)

''ایامیٰ''عربی زبان کا لفظ ہے،اس کا واحد 'ایم' ہے۔اس کے معنیٰ ہیں وہ نوجوان یا دوشیزہ جس کی ابھی شادی نہ ہوئی ہو، یا وہ شخص جس کی شادی ہوچکی ہو؛ لیکن کسی وجہ سے طلاق ہوگئی ہو، یا اس کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہو، یا وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو، یا اس نے اس سے علیٰحدگی اختیار کرلی ہو، ایامی میں یہ تمام لوگ شامل ہیں۔

قرآن سماج کی یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی بھی شخص، خواہ وہ کسی بھی عمر کا ہو، بغیر نکاح کے نہ رہے۔ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے نوجوانو! تم میں سے جو بھی نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اسے نکاح کرلینا چاہیے۔اس لیے کہ اس سے نگاہوں کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔''(بخاری: 1905، مسلم: 1400)

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مردوں اور عورتوں دونوں کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:''ان کے محافظ بنو، نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو''(المائدۃ: 5)''وہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہوکر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں''۔(النساء: 25)

مردوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ عیاشیاں کریں، کھلے چھپے بدکاری کریں یا ناجائز تعلقات قائم کریں۔اسی طرح عورتوں کو بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ نکاح کے بندھن میں نہ بندھیں اور کھلے چھپے آوارگی کا مظاہرہ کریں، یا چوری چھپے عیاشیاں کریں۔

اسلامی تعلیمات میں اس سے آگے کی چیز ملتی ہے، جو ہم سب کے لیے قابل توجہ ہے۔اسلام نے نکاح کو آسان سے آسان تر بنایا ہے اور زنا کو مشکل سے مشکل تر کیا ہے۔چنانچہ زنا سے متعلق سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''لوگو! زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، یہ فحش کام ہے اور انتہائی برا راستہ''(الاسراء: 32)۔زنا کی سزا قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔اس کا ارتکاب کرنے والے مرد اور عورت کو سو(100) کوڑے مارے جائیں گے اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے پتھر مار مار کر ہلاک کردیا جائے گا۔اس کے مقابلے میں نکاح کو بہت آسان بنایا گیا ہے۔اس سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپؐ کا اسوہ اور صحابہ کا عمل ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔آپؐ کا ارشاد ہے: أعظمُ النّکاحِ بَرَکَۃً أیسَرُہ مَئُونَۃً (احمد: 24529)''سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو''۔

عام طور سے نکاح کے موقع پر بہت خرچ کیا جاتا ہے، دل کے ارمان نکالے جاتے ہیں، پر تکلف دعوتیں ہوتی ہیں، بڑی تعداد میں دولہا، دلہن اور رشتہ داروں کے جوڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ان مصارف کے لیے قرض تک لینے کی نوبت آجاتی ہے۔ لیکن اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو سب سے بہتر قرار دیا ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو اور جو سب سے زیادہ آسانی سے انجام پائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کہا کہ مجھ سے نکاح کرلیجیے، یا کسی اور سے میری شادی کر دیجیے۔آپؐ خاموش رہے۔وہ عورت بیٹھ گئی۔کچھ دیر کے بعد ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس عورت کا نکاح مجھ سے کردیجیے۔آپؐ نے پوچھا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں ہے۔آپؐ نے فرمایا: کچھ تو ہوگا۔اس نے عرض کیا: کچھ نہیں ہے۔آپؐ نے فرمایا: اپنے گھر جاؤ اور دیکھو، جو بھی ہو، لے آؤ۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید کے بعد وہ صحابی چلے گئے۔کچھ دیر کے بعد واپس آئے اور کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔آپؐ نے فرمایا: تمہارے پاس لوہے کی انگوٹھی تو ہوگی؟ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ بھی نہیں ہے۔مگر اس وجہ سے نکاح نہیں روکا گیا۔آپؐ نے فرمایا: تمہیں جو کچھ قرآن یاد ہے، اسے اس عورت کو سکھا دینا۔اسی کے عوض میں اس کو تمہارے نکاح میں دیتا ہوں۔(بخاری: 5121، مسلم: 1425)

ایک مرتبہ ایک نوجوان آپؐ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، لیکن کہیں پیغام بھیجتا ہوں تو لوگ مجھے اپنی لڑکی دینے سے انکار کردیتے ہیں۔وہ نوجوان پچھنا لگانے کا کام کرتا تھا۔ ہمارے سماج میں بھی لوہار، نائی اور اس طرح کے لوگوں کو بدذات سمجھا جاتا ہے۔چوں کہ وہ نوجوان ایک معمولی پیشہ سے وابستہ تھا، اس لیے لوگ اسے اپنی بیٹی دینے کے لیے راضی نہ تھے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: تمھارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ اس نے جواب دیا: بنو بیاضہ سے۔آپؐ نے قبیلے والوں کو پیغام بھجوایا کہ اس نوجوان کا کہیں نکاح کروادیں۔(ابوداؤد: 2102)

اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے سماج میں دوشیزائیں بیٹھی رہتی ہیں، ان کے رشتے نہیں مل پاتے ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانے میں مطلقہ یا بیوہ عورت گھر میں بیٹھی رہے، اس کا کوئی تصور نہیں تھا۔ایک عورت کی کسی وجہ سے طلاق ہوگئی ہو یا وہ بیوہ ہوگئی ہو تو اس کی دوسری شادی ہوجاتی تھی، تیسری شادی ہوجاتی تھی، چوتھی شادی ہوجاتی تھی۔عمر کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔کم عمر لڑکیوں کی شادی بڑی عمر کے مردوں سے ہوجاتی تھی اور زیادہ عمر کی عورتوں کی شادی نوعمر لڑکوں سے ہوجاتی تھی۔اس معاملہ میں کوئی روک ٹوک اور دشواری نہیں تھی۔

ایک خاتون تھیں حضرت عاتکہ بنت زیدؓ۔حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے ان کا نکاح ہوا۔غزوہ طائف میں وہ شہید ہوگئے تو حضرت زید بن الخطابؓ نے ان سے نکاح کرلیا۔وہ شہید ہوگئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے نکاح کیا۔وہ شہید ہوگئے تو حضرت زبیر بن العوامؓ نے ان سے نکاح کیا۔وہ شہید ہوگئے تو حضرت حسن بن علیؓ نے ان سے نکاح کرلیا۔ اس طرح ان کا لقب 'زوجۃ الشھداء'(شہیدوں کی بیوی) پڑ گیا تھا۔(الاستیعاب، ابن عبدالبر) حضرت اسماء بنت عمیسؓ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی بیوی تھیں۔وہ جنگ مؤتہ میں شہید ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے نکاح کرلیا۔حضرت ابو بکرؓ شہید ہوئے تو حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا۔(اسد الغابۃ)

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بہت مشہور صحابیہ ہیں۔ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو عدت مکمل ہوتے ہی ان کے پاس تین(3) رشتے آگئے۔وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس فلاں فلاں رشتے آئے ہیں۔بتائیے، ان میں سے کون سا رشتہ میرے لیے بہتر ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا: اگر مجھ سے رائے لیتی ہو تو میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ان کے بجائے اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرلو۔چنانچہ انھوں نے حضرت اسامہؓ سے نکاح کرلیا۔وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میرا یہ رشتہ بہت بابرکت ثابت ہوا۔(مسلم: 1480، ترمذی: 1135) حضرت فاطمہؓ کی عمر زیادہ تھی، ان کے مقابلہ میں حضرت اسامہؓ کی عمر کم تھی۔دونوں کی عمروں میں کافی تفاوت تھا، لیکن انھوں نے خوش گوار ازدواجی زندگی گزاری۔

اسلام میں عورت کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ جس کو چاہے پسند کرے۔اسے کھل کر اپنی خواہش کے اظہار کی آزادی ہے۔ایک لڑکی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ نے میرا رشتہ اپنے بھتیجے کے ساتھ طے کردیا ہے، مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نہیں چاہتی ہو تو تمہارا یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔وہ لڑکی فوراً بول اٹھی: مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔میں تو صرف یہ دکھانا چاہتی تھی کہ اسلام میں خواتین کو اپنی رائے کے اظہار کرنے کی کہاں تک آزادی ہے؟! آپؐ نے میرا حق تسلیم کرلیا، اب میں یہ رشتہ قبول کرتی ہوں۔(نسائی: 3269، احمد: 25043)

اسلام میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔عربی زبان میں جہیز کے لیے کوئی لفظ ہے ہی نہیں۔عہد نبوی میں جتنی شادیاں ہوئیں، کسی میں بھی جہیز کا تذکرہ نہیں ملتا۔میں نہیں سمجھتا کہ کسی شادی میں کسی باپ نے اپنی بیٹی کو کچھ نہیں دیا ہوگا۔ضرور دیا ہوگا، لیکن وہ جہیز کی شکل میں نہیں تھا۔سامان اکٹھے نہیں کیے گئے ہوں گے، ان کی نمائش نہیں کی گئی ہوگی، شادی سے پہلے لڑکے والوں کی طرف سے لسٹ نہیں دی گئی ہوگی کہ فلاں فلاں چیز چاہیے اور وہ فلاں کمپنی کی ہونی چاہیے۔آج سماج میں جس بڑی مقدار میں اور جس دکھاوے کے ساتھ جہیز کا لین دین ہوتا ہے اس کی دین میں کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیوی کا مہر پانچ سو درہم تھا۔یہی مہر حضرت فاطمہؓ کا بھی تھا۔حضرت علیؓ شروع ہی سے آپؐ کے پروردہ تھے، آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔جب نکاح کا موقع آیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں تو شروع ہی سے آپ کے ساتھ رہ رہا ہوں، میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔حضورؐ نے فرمایا: تمہارے پاس جو زرہ ہے اسے بیچ لاؤ۔انھوں نے زرہ بیچی۔اس سے جو پیسے وصول ہوئے اس سے آپؐ نے گھر گرہستی کا سامان خریدوایا اور اسی سے مہر ادا کروایا۔(السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر)

آج کل باراتیوں کی لمبی لسٹ بنتی ہے۔لڑکے کے چچا اور چچیاں، خالو اور خالائیں، پھوپھا اور پھوپھیاں، پڑوسی، دوست و احباب، غرض ایک لمبی فہرست تیار ہوتی ہے۔اس موقع پر کسی کو نظرانداز کیا جاتا ہے، یا بھول کر اس کا نام چھوٹ جاتا ہے تو وہ ناراض ہوجاتا ہے۔پھر لڑکے والے لڑکی والوں سے کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ جو باراتی آپ کے یہاں پہنچیں ان کی خوب اچھی طرح خاطر داری ہو۔غور کریں، یہ کتنی بڑی زیادتی اور بے شرمی کی بات ہے کہ لڑکے والے اپنے مہمانوں کو زبردستی لڑکی والوں کا مہمان بنادیتے ہیں۔عہد نبوی میں ہونے والی شادیوں میں بارات کا کوئی تصور نہیں تھا۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا شمار مدینہ کے انتہائی مال داروں میں ہوتا تھا۔اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انتقال کے وقت انھوں نے جو سونا چھوڑا اسے کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر ان کے ورثہ میں تقسیم کیا گیا تھا۔ان کا جب نکاح ہوا تو انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔بعد میں جب آپؐ کو معلوم ہوا تو ان سے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! ولیمہ کرو، چاہے اس میں ایک بکری ہی ذبح کرو۔(بخاری: 2048، مسلم: 1427) ہم غور کریں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کتنی بابرکت اور محترم تھی۔ایک چھوٹی بستی میں نکاح کی مجلس ہوتی ہے، لیکن آپؐ کو بلانے کی ضرورت نہیں محسوس کی جاتی۔

نکاح کی تقریب منعقد کرنے کے لیے بڑے بڑے میرج ہال بک کیے جاتے ہیں اور اس کے ڈیکوریشن پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، حالاں کہ بہت آسانی سے سادہ تقریب منعقد کی جاسکتی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجد میں کرو۔''(ترمذی: 1089) حدیث کے دوسرے جملے کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن مسجد میں انعقادِ نکاح کی افادیت کو دیکھتے ہوئے فقہاء نے اسے نہ صرف جائز، بلکہ بہتر اور پسندیدہ قرار دیا ہے۔اس سے ایک تو نکاح بہت سادگی سے انجام پاتا ہے، دوسرے اس کی تشہیر بھی ہوجاتی ہے۔مسجد کا روحانی ماحول بہت سکون واطمینان اور برکت والا ہوتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی سماج میں ہم نے اپنے اوپر بہت سے بوجھ لاد لیے ہیں۔جب تک ہم ان سے دوری اختیار نہیں کریں گے اور ان کو اتار نہیں پھینکیں گے، ہمارے لیے صحیح اسلامی معاشرہ کا نمونہ پیش کرنا ممکن نہ ہوگا۔ہر نکاح کی تقریب میں نکاح کے فضائل اور مسائل بیان کیے جاتے ہیں، اس کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں، لیکن عمل کا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔اگر ہم اپنی ایجاد کی ہوئی رسموں کو چھوڑ کر اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے لگیں اور ان کا عملی نمونہ پیش کریں تو نہ صرف یہ کہ معاشرہ کی اصلاح ہوگی، بلکہ جو غیر مسلم بھائی ہمارے آس پاس رہتے ہیں، ان کے سامنے بھی اچھا نمونہ پہنچے گا۔

Scanned with CamScanner

مقتول رابعہ سیفی اور انصاف کے تقاضے

سید سرفراز احمد

جب حکومتیں اپنی رعایا سے ناانصافی کرتی ہیں تو ایسی حکومتوں پر عوام کا اعتماد کرنا بھی محال ہوجاتا ہے خاص کر ایسی حکومتیں جو سیکولرزم کا چرچا تو بڑے دھوم دھام سے رچاتی ہیں لیکن حالات کے نقطہ نظر سے جب انصاف کی بات آتی ہے تو دبے پاؤں پیچھے ہٹ کر کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور دور دور تک کہیں بھی انصاف کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جبکہ یہی سیکولرزم کا گن گانے والے انتخابات سے قبل مسلمانوں کے سچے ہمدرد بن جاتے ہیں لیکن جب اقتدار پر قابض ہوجاتے ہیں تو یہ بھی اپنے رنگ برنگے رنگ بدلنا شروع کر دیتے ہیں آزادی کے بعد سے اب تک مسلمانوں کے حق میں جو چیز آئی تو صرف ظلم و زیادتی و ناانصافی ہی آئی جس کی ٹھوکریں ملک کا مسلمان ابھی تک کھاتے آرہا ہے اور ابھی بھی کھا رہا ہے جس ملک میں فاشزم بڑھ جاتا ہے اور سیکولرزم اندھا بن جاتا ہے، عوام کے محافظ خود رہزن بن جاتے ہیں، اور جب عام افراد آئین کی دھجیاں اڑا کر اسی قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر معصوموں کے گلوں میں ظلم کا طوق پہناتے ہیں تو یہ سمجھنا ہوگا کہ ملک کے حکمران ملک کے نظام کو بدلنا چاہتے ہیں یا ملک میں غنڈہ راج قائم کرنا چاہتے ہیں اور ایسے ملک میں مسلمانوں سے انصاف تو دور ہمدردی بھی جتانے والا کوئی نہیں ہوسکتا سیکولرزم ہو یا فاشزم سب اپنی سیاسی روٹیاں سیکھنے کیلئے عوام کے ووٹ کا صرف استعمال کر لیتے ہیں آئے دن بھارت میں عصمت دری، قتل و غارت گیری، ہجومی تشدد، یہ سب اتنے عام ہوگئے ہیں کہ حکمرانوں کے نزدیک ایک انسان سے زیادہ قیمتی جانور ہوگئے ہیں جنھیں ملک کی قوم کی فکر نہیں مگر ایک بے زبان جانور کو قومی جانور بنانے کی فکر ہے۔

ملک کی بیٹی چاہے وہ رابعہ ہو یا نربھیاء اگر وہ اپنے ہی دیش میں اپنی ہی قوم کے ہاتھوں چٹکیوں میں مسل دی جاتی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ دیش کی بیٹیاں دیش میں محفوظ نہیں ہے حکومتیں دیش کی خواتین کی حفاظت کرنے میں یکسر ناکام ہوچکی ہے جنھوں نے صرف دیش کی بیٹی کو نعروں کے حد تک محدود کر دیا ہے دہلی میں رابعہ سیفی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس واقعہ نے پورے ملک میں انسانیت کا جذبہ رکھنے والوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے سوائے ان حکمرانوں کو جو مذہب کے نام پر سیاست کھیلتے ہیں، سوائے اس فاشزم کو جو دیش کی بیٹی کو ہندو مسلم میں فرق کرتی آنکھ سے دیکھتے ہیں، رابعہ سیفی ایک سیول ڈیفینس آفیسر کے عہدہ پر تھی جسکا تقرر پچھلے چار ماہ قبل ہی عمل میں آیا تھا جسکا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا جسکی ماں نے اپنی محنت و مشقت سے اپنی بیٹی کو پڑھا لکھا کر قابل بنایا تا کہ اسکا مستقبل سنور سکے پر اس ماں کو کیا معلوم تھا کہ اسکی عفت دامن بیٹی درندہ صفت انسانوں کے چنگل میں آکر اسکی آنکھ سے اتنی جلدی اوجھل ہوجائے گی اگر ایک ماں کو اس بات کا علم ہوتا کہ اسکی بیٹی کی عزت اس عہدہ سے تار تار ہونے والی ہے تو ایک ماں یہی چاہتی کہ وہ نوکری کے بجائے اپنی بیٹی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رہ کر زندگی گذار لے چاہے اس کیلئے فاقہ کشی پر ہی کیوں گذارا نہ ہو ایک ماں کے نزدیک سب سے اہم اسکی اپنی اولاد کی جان اور اسکی عزت ہوتی ہے اگر وہی اولاد اچانک اسکی آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہے تو اس ماں کا سسکنا اور بلبلانا ایک ماں سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا لیکن باوجود اسکے اپنی چہیتی اولاد سے محروم ہونے کے بعد اس ماں کو صرف ایک ہی آس ہوتی ہے کہ اسکی اولاد کو انصاف ملے، اسکے قاتلوں کو سزا ملے، تب ہی وہ اپنے آپ کو سنبھال سکی، لیکن اگر یہی مطالبہ پورا دیش چاہتا ہو تو ملک کے حکمرانوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ دیش کی بیٹی کے ساتھ انصاف کرے کیونکہ جس بے دردی سے رابعہ کی اجتماعی عصمت دری کر کے ایک وحشیانہ انداز میں قتل کر دیا جاتا ہے جس کو سن کر ہر انسانی ضمیر کی روح کانپ جاتی ہے لیکن افسوس کہ ہمارے ملک کے حکمرانوں کے ماتھے پر شکن تو دور دو الفاظ ہمدردی کے بھی نہیں جتائے گئے، ایسے پتھر دل انسان انسانیت رکھنے والوں کی نظر میں انسان نہیں ہوسکتے ایسی انسانیت رکھنے والوں میں کیجریوال بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے دہلی فسادات میں ہی کیجریوال کے سیکولرزم کا چہرہ بے نقاب ہوگیا تھا کیجریوال نے دہلی فسادات میں جس طرح سے قاتلوں کی پشت پناہی کی اور مسلمانوں پر ہوتے رہے ظلم و جبر کو دیکھتے رہے، لیکن انکا ضمیر نہیں جاگ سکا شاہین باغ میں مسلمان اپنے حق اور انصاف کی دوہار لگاتے رہے لیکن کیجریوال خاموش رہے بس صرف یہ کہہ کر اپنا دفاع کرتے رہے کہ دہلی پولیس ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے کورونا وباء میں مسلم جماعت کو کورونا پھیلانے کا ذمہ دار ٹھرایا گیا تب بھی کیجریوال تماشائی بنے رہے، دہلی سرکار کو میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وہ جس بھارت کی راجدھانی میں حکومت پر بیٹھے ہیں انھیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ نربھیاء کی اجتماعی عصمت ریزی کے بعد جس طرح مظلوم کی آواز بنکر اٹھے تھے آج کیوں وہ خاموش ٹھٹھکر رہ گئے ہیں کیجریوال نے نربھیاء کے قتل کے بعد شیلا ڈکشٹ سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا تھا پھر آج کیوں وہ اپنے عہد کے پابند نظر نہیں آرہے ہیں جس طرح سے نربھیاء دیش کی بیٹی تھی رابعہ بھی دیش کی ہی بیٹی ہے، جس طرح سے نربھیاء ایک مظلوم تھی رابعہ بھی ایک مظلوم ہے تو پھر دونوں میں فرق کس بات کا، رابعہ سے انصاف کا تقاضہ یہ ہیکہ رابعہ کے قاتلوں کو بھی نربھیاء کے قاتلوں کی طرز پر سزا ملنی چاہیئے، رابعہ سے انصاف کا تقاضہ ہیکہ جسطرح کیجریوال سرکار نے 2020 میں پرویش کمار کو جو اسی ڈیفینس محکمہ سے تعلق رکھتا تھا پرویش کی موت پر عاپ سرکار ایک کروڑ کا اعلان کرتی ہے تو پھر رابعہ کو صرف دس لاکھ کا اعلان ......کیا کیجریوال سرکار مذہب کی بنیاد پر اعلان کر رہی ہے یا مقتول کی قیمت لگا رہی ہے، افسوس ہوتا ہے ایسی سیکولرزم پر جو مذہب کو بانٹ کر تعصبیت کو فروغ دے رہے ہیں، حالانکہ دونوں کی موت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے پرویش کی موت ایک حادثہ کی وجہ سے ہوئی تھی حیران کن بات تو یہ بھی ہیکہ رابعہ اپنی ڈیوٹی پر تھی جسکا اغواء کر کے اجتماعی عصمت ریزی کے بعد چاقو زنی سے وحشیانہ انداز میں ماردیا جاتا ہے جسکے جسم کا کوئی حصہ بھی سلامت نہیں رہتا پھر اس رابعہ کو صرف دس لاکھ ہی دینے پر آمادہ کیوں ہے، کیا یہ سوال کیجریوال سے نہیں کرنا چاہیئے کہ دونوں کو معاوضہ کے اعلان میں اس قسم کا بھید بھاؤ کیوں کیا جارہا ہے......؟ حالانکہ رابعہ کا معاملہ پرویش کے معاملہ سے انتہائی سنگین ہے سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہیکہ کیا کیجریوال کے نزدیک ایک مسلمان ہونا جرم ہے یا وہ مسلمانوں کو دوسرے درجہ کے شہری مانتے ہیں...؟ کیجریوال سرکار ابھی تک اس معاملہ کی سی بی آئی جانچ کروانے کا بھی مطالبہ نہیں کیا، کیا رابعہ کی ماں کو اور ہر ہندوستانی کو یہ جاننے کا حق نہیں ہیکہ آخر رابعہ کا اغواء پھر اجتماعی عصمت ریزی کر کے قتل کرنے کی وجہ کیا ہے...؟ جب کیجریوال ہی انصاف کے تقاضوں پر کھرا نہیں اتر سکتے تو وزارت داخلہ سے کیا امید لگائی جاسکتی جنکے اشاروں پر توخاکی وردی بھی ظالم کو مظلوم بنا کر پیش کر دیتی ہے اور مظلوم کو ظالم بنا کر، پولیس اور سول ڈیفینس کے عہدیداران بھی اس پورے معاملہ کو دبانا چاہتے ہیں حالانکہ جو آڈیو کال وائرل ہورہا ہے اسمیں رابعہ کی ساتھی خود بوکھلاہٹ کا شکار ہوکر رابعہ کی ماں سے کال پر بات کرتی ہے اور بار بار ریکارڈنگ ہورہی ہے کیا پوچھا کرتی ہے اور کہتی ہیکہ رابعہ متعلقہ عہدیدار جسکا نام مہرا بتاتی ہے انکے ساتھ جانے کا بھی ذکر کرتی ہے اور رابعہ کی امی سے پریشان نہ ہونے کو کہتی ہے جس کال ریکارڈنگ سے صاف پتہ چل رہا ہیکہ رابعہ کی ساتھی کو رابعہ کے جانے کا علم ہے اور بار بار اسکا رابعہ کی امی سے پوچھنا کہ کال ریکارڈنگ تو نہیں ہورہی ہے اور پریشان نہ ہونے کو کہنا ان سب باتوں سے ثبوتوں کو اکھٹا کر کے قاتلوں تک آسانی سے پہنچا جاسکتا ہے اور جسطرح سے رابعہ کی ساتھی نے مہرا کا نام لیا ہے کیوں پولیس اس مہرا اور رابعہ کی ساتھی سے پوچھ تاچھ کر کے مجروموں تک نہیں پہنچ رہی ہے کیونکہ پولیس ان مجرموں کو پکڑنا ہی نہیں چاہتی یہ تو رابعہ کے قاتلوں کو پکڑنے کے بجائے انکی ڈھال بنکر حفاظت کر رہے ہیں تا کہ معاملہ کو کسی بھی طرح رفع دفع کر دیا جائے پولیس کی اس چاپلوسی سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہیکہ رابعہ کے قتل کے پیچھے ضرور کچھ ایسا راز ہوگا جو رابعہ اس راز کو جانتی تھی جس سے متعلق محکمہ اور حکومت کا پردہ فاش ہوسکتا تھا تب ہی پولیس اس معاملہ کو راکھ کا ڈھیر بنا کر ختم کرنا چاہتی ہے اور ہم یہ بھی کہہ سکتے کہ اس پورے معاملہ کے پیچھے قاتلوں کو بچانے کیلئے کسی نہ کسی کی پشت پناہی بھی ضرور حاصل ہے تب ہی پولیس اس معاملہ کو پسِ پشت ڈال رہی ہے۔

جس طرح سے رابعہ کا معاملہ پورے دیش میں طول پکڑتا جارہا ہے، وہیں جگہ جگہ حکومتوں سے انصاف کا مطالبہ بھی کیا جارہا ہے اس پورے معاملہ میں ملک کی عوام رابعہ کی ماں کے غم کو کسی حد تک کم کرنا چاہتے ہیں تو صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے جس سے مقتول کے افراد خاندان کو کسی حد تک ایک اضطراب آمیز سکون مل سکتا ہے وہ ہے انصاف! لیکن اس انصاف کی جس کو آواز بلند کرنا تھا وہ بھی ابھی خاموش ہیں می، ں بات کر رہا ہوں گودی میڈیا کی؛ کیوں گودی میڈیا اس واقعہ کو نہیں بتا رہی ہے کیوں گودی میڈیا اپنے پلیٹ فارم سے مظلوم لڑکی کیلئے حکومت سے انصاف کرنے کی بات نہیں کر رہی ہے، جنہیں افغانستان، لڑکیوں کی جان کی عصمت کی فکر ہے انھیں کیوں ملک کی بیٹیوں بہنوں کی فکر نہیں ہے، کیوں ملک کی بیٹی کی عزت، عزت نہیں ہے کیونکہ انھیں کسی کی عزت سے زیادہ انکی ٹی آر پی کی اہمیت ہے جہاں انکے آقاؤں کے مفاد کی بات آتی ہے تو یہ تیل کی جگہ گھی کا استعمال کرتے ہوئے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کر کے بتانے سے بھی باز نہیں آتے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں کہ جھوٹ کا پردہ فاش کریں اور حق کی آواز بن کر دکھائیں جو گودی میڈیا اپنے ہم وطنوں کو اپنی بہن بیٹی کے دکھ درد کو نہیں سمجھ سکتی وہ غیر ملک کی بیٹی بہن کو کیا خاک سمجھ سکتی جب انصاف مانگنے کے تمام راستے بند ہوجاتے ہیں اور جمہوریت تماشا بن جاتی ہے صحافت داؤ پر لگ جاتی ہے منصف کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے تو ایسے میں عام انسان کو ہی مظلوم کی للکار بننا پڑتا ہے حکومتوں کو آئینہ دکھانا پڑتا ہے تب جا کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے لیکن کیا مسلمان ایسے ہی دن بہ دن اپنی ایک ایک جانوں کو گنواتے رہیں اور پھر انصاف کا مطالبہ کرتے رہیں حالانکہ مسلمانوں سے انصاف بھی ہونا دور دور تک نظر نہیں آرہا ہے کل آصفہ تھی اور آج رابعہ ہے اور کل کوئی اور...... قبل اسکے کے کوئی اور واقعہ رونما ہوجائے مسلم قائدین و دانشورانِ ملت رضا کارانہ تنظیمیں این جی اوز اس معاملہ میں برادرانِ وطن جو انسانیت کا درد رکھتے ہوں انھیں ساتھ لیکر ایسے ظلم کے خلاف اپنی آواز کو بلند کریں اور رابعہ کے قاتلوں کو پھانسی کے تختہ دار تک پہنچائیں حکومتوں پر اپنا دبدبہ قائم کریں انھیں عوام کی آواز پر مظلوم کی آہ پر جھکنے پر مجبور کریں اور عدالت اعظمیٰ کا دروازہ کھٹکھٹائیں قابل وکلاء کے ذریعہ رابعہ کے قاتلوں کو سزا دلوائیں کیجریوال حکومت سے بات کریں مقتول کو اسکا حق دلوائیں بشرطیکہ عدالت اعظمیٰ انصاف کی علمبردار بنکر اس ملک کی لاج اور وقار کو برقرار رکھتے ہوئے مظلوم کے ساتھ انصاف کریں ناکہ مظلوم کو آہ بکا نہ ہونے دیں۔

خوف وہراس مسلمانوں کا شیوہ نہیں

مولانا محمد ناظم ندوی

اس وقت پوری دنیا کے مسلمان نازک دور سے گذر رہے ہیں، اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں پر حملہ آور ہیں، اور نئی نئی اصطلاحات ایجاد کرکے انہیں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کردیا گیا ہے، پورے عالم اسلام کا قافیہ تنگ کرنے اور جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان میں خوف وہراس پیدا کرنے کی پوری کوششیں وسازشیں رچی جارہی ہیں، ہمارا یہ ہندوستان بھی جومحبت وامن کا گہوارہ تھا یہ بھی آتش فشاں بنا ہوا ہے، اس میں فسطائی ذہن رکھنے والی مذہبی جنونی جارحیت نے اپنے پوری طاقت جھونک دی ہے، مرکز میں بی جے پی کی حکومت نے بھی اسے کھلی چوٹ دے رکھی ہے، انتظامیہ بھی ان کے اشاروں کو حکم سمجھ کر اپنے اختیارات نافذ کرڈالتی ہے، میڈیا اس کا زر خرید غلام بنا ہوا ہے، اس نے بھی وقتی مفاد کی خاطر اپنے قلب وضمیر کا سودا کرلیا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے آئینی ڈھانچہ کو تبدیل کرکے ہندوتو کے فلسفہ وفکر کی حکومت قائم ہوجائے، دیومالائی تہذیب وثقافت کا بول بالا ہو، ایک صدی قبل انہوں نے جس تنظیم کی تخم ریزی کی تھی آج وہ تناور درخت بن چکی ہے، اوراس کی زہرناکی وخطرناکی کے کڑوے وکسیلے پھل تعصب، نفرت، جنون، جارحیت اور فرقہ پرستی کی شکل میں ہر گلی کوچے میں اپنا اثر پھیلا رہے ہیں، حکومت کے ایوان بھی اس سے متاثر ہیں، انتظامیہ کے دفاتر بھی اور صحافیوں کی زبان وقلم کی شرافت وآبرو بھی، کہیں کہیں عدلیہ کے ذہن ودماغ بھی اس کی مہک صاف محسوس ہوتی ہے، اپنے اہداف ومقاصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ جائز وناجائز ہر حربہ استعمال کررہے ہیں، نت نئے بیانات کے ذریعہ ایذارسانی، فسادات وہجومی تشدد کے ذریعہ قتل وغارت گری وجان ومال کی تباہی اسی حکمت عملی کا حصہ ہے، یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ امت مسلمہ ان حالات میں دانشمندی کا ثبوت پیش کررہی ہے اور استقلال واستقامت سے ان کا مقابلہ کررہی ہے۔

امت مسلمہ کو ہمیشہ مصائب وخطرات کے چیلنجوں سے واسطہ رہا ہے، کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس امت کی کشتی ہمیشہ کے لئے غرقاب ہوجائے گی، تاتاریوں نے عالم اسلام کی بستیاں کی بستیاں اجاڑ دیں، مرکز اسلام بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی، کتب خانوں کو دریا برد کردیا، تہذیب وثقافت کو تاراج کرڈالا، لیکن پھر انہیں صنم خانوں سے اسلام کے پاسبان تیار ہوگئے، سوویت یونین نے تقریبا ایک صدی تک اسلام اور مسلمانوں کا ناطقہ بند کردیا، ہر طرح کے ظلم وستم سے ان کو گذرنا پڑا، اذان، نماز، مساجد اور کتاب الٰہی پر پابندی عائد کردی، ہزاروں مسجدوں کو شہید کردیا، قرآن کی تلاوت پر پابندی عائد کردی، لیکن پھر اسی کے جلوسے مسلم ریاستیں وجود میں آگئیں، چند سال قبل چین کی کمیونسٹ حکومت نے اویغور ترک مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کررکھی، ان کے شعائر اسلام پر پابندی لگارکھی، انتہا پسندی ودہشت گردی کا بہانہ کرکے لاکھوں مسلمانوں کو کیمپ میں بھرتی کردیا گیا، موجودہ حکمراں کا یہ فرمان ہے کہ اویغور مسلمانوں کے گھر میں قرآن کا کوئی نسخہ بھی نہ رہنے دیا جائے، ہر گھر سے قرآن واسلامی ودینی کتاب ضبط کی جاتی رہی، مسلمان مردوں کے ڈاڑھی رکھنے اور عورتوں کے برقعہ پہننے پر پابند عائد کردی گئی، وہ چاہتے تھے کہ پورے مشرق ترکستان کو ایغور مسلمانوں کے وجود سے خالی کرالیا جائے، اسی لئے ان پر طرح طرح کے الزام عائد کئے جاتے رہے، اس کے باوجود مسلمان صبر وحوصلہ سے کام لے کر اسی طرح اپنے ایمان اور عقیدہ وفکر کی حفاظت کررہا ہے جیسا کہ ان کے پیشروں نے کی ہے۔ ایمان غیر معمولی چیز اور بیش بہا نعمت ودولت ہے، جان سے زیادہ اس کی حفاظت ضروری ہے، اور مسلمان اس نعمت ودولت کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کا مسلمان بھی ایمان کی قدر ومنزلت سے واقف ہے، اس کے سامنے بھی بہت سے چیلنجز وخطرات ہیں، دیومالائی تہذیب اس کی ثقافت کی ہضم کرنے کی کوششیں کررہی ہے، اسی کے لئے نت نئے پروگرام اس امت کو ہراساں وخوفزدہ کرنے کے لئے کئے جارہے ہیں۔ لیکن یہ امت اپنی تاریخ اور اپنے اقدار وروایات کو برقرار رکھنے کے لئے میدان عمل میں رہے گی اور صبر واستقامت اور خاموش حکمت عملی کے ذریعہ اپنا مستقبل طے کرے گی۔

امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تاریخ اور ماضی کے رشتہ کو صحیح تناظر میں سمجھے، وہ خود اسلام کے پیغام، اس کے مقاصد اور اس کی روح کو سمجھے، اسلام کی روح اور اس کا فکر وفلسفہ یہ ہے کہ وہ حالات سے خوفزدہ ہوکر حالات کے دھارے میں نہ بہہ جائے، بلکہ مخالف طوفانوں کا رخ موڑنے اور انہیں صحیح سمت عطا کرنے کا جذبہ وعزم خود کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے، حالات کا گہرائی وگیرائی سے جائزہ لے، انسان کی قوت ارادی مخالف حالات سے ٹکرا کر فولادی صلابت بن جاتی ہے، اس لئے معمولی حالات سے گھبرانا مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے، بلکہ حکمت عملی سے مقابلہ کرنا اور اپنی خامیوں پر نظر کرکے ان کا ازالہ کرنا یہ مسلمان کا وطیرہ ہے، اپنے اندر خود احتسابی کا جذبہ پیدا کرے، اسلام کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان پہلے خود اپنی اصلاح کرے، پھر اپنے گرد وپیش کے حالات کو سدھارنے کی طرف متوجہ ہو، پھر دوسروں کو اپنی شریعت کی حکمتوں کو سمجھائے، ہمارے پاس ایک طاقتور پیغام ہے، ایک مکمل دین ومستقل تہذیب ہے، جس میں کشش ہے، جامعیت ہے اور معقولیت ہے، کمی اس بات کی ہے کہ ہم اسے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش نہیں کررہے ہیں۔

بقیات

صفحہ اول کا بقیہ ...... اس سے معلوم ہوا کہ تمام لوگ جو مولانا کہے جارہے ہیں ان کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن جو عالم اصطلاحی ہیں وہ مولانا کہے جاتے ہیں، منطق کی اصطلاح میں ان دونوں میں عموم خصوص کی نسبت ہے، یعنی ہر عالم، مولانا کہا جاتا ہے، لیکن ہر مولانا کہا جانے والا عالم نہیں ہوتا، البتہ بعض صورتوں میں فرد واحد عالم اور مولانا دونوں ہوسکتا ہے۔

اوصاف امیر کے دوسری شق میں یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ محض عالم باعمل ہی نہ ہو، اس کی نگاہ ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر بھی ہو؛ تاکہ وہ موقع کی مناسبت سے درست فیصلے لے سکے، اسی وجہ سے اس شق کے آخر میں یہ بات جوڑی گئی کہ وہ صائب الرائے ہو، اور اس کا صائب الرائے ہونا تجربہ سے ثابت ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو صائب الرائے نہ ہو اسے بھی امیر شریعت کا عہدہ نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ اس کے غلط فیصلوں کی وجہ سے ملت کو نقصان پہونچے گا، یہ جوکھم مول نہیں لیا جاسکتا کہ پوری ملت کو خطرے میں ڈال دیا جائے، اسی لیے تجربہ کی قید بھی لگائی گئی تاکہ امیر شریعت سے غلط فیصلے کا امکان کم سے کم ہو، اب اگر کسی کا تجربہ ہمیں نہیں ہے، یا اس کے معاملات ہمارے سامنے کسی بھی وجہ سے نہیں آسکے ہیں تو اسے بھی ترجیحی بنیاد پر امیر بنانا صحیح نہیں ہوگا۔

تیسری شق میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ذاتی قابلیت ووجاہت کی وجہ سے عوام وخواص کے اکثر طبقات کی ایک معتدبہ جماعت پر اس کا اثر ہو، یعنی جو امیر شریعت ہوگا اس کا صرف اپنے حلقہ میں متعارف ہونا اور با اثر ہونا کافی نہیں ہے، اسے دستور کے مطابق عوام وخواص کے اکثر طبقات کی ایک معتدبہ جماعت کی نظر میں با اثر ہونا ضروری ہوگا، کیوں کہ امیر شریعت کی سمع وطاعت عام مسلمانوں پر واجب ہے، اب اگر وہ صرف ایک طبقہ کی نمائندگی کرے گا تو دوسرے طبقات اس سے کٹ کر رہ جائیں گے، اسی لیے دستور کی اس شق میں عوام وخواص کے اکثر طبقات کی معتدبہ جماعت پر اثر کا ہونا ضروری بتایا گیا ہے، یہ اثرات ذاتی قابلیت اور وجاہت کی وجہ سے بھی پڑتے ہیں، اور عوامی خدمات اور ملی معاملات میں انہماک کی وجہ سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، یہ شق بھی انتہائی اہم ہے، امیر کی ذات میں اس شق کے مندرجات کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

چوتھی شق میں اس کے حق گو، حق شنو، جری اور صاحب عزیمت ہونے کی بات کہی گئی ہے، ظاہر ہے اگر وہ حق گو نہیں ہوگا، حق سننے کا حوصلہ نہیں رکھے گا، صاحب عزیمت اور جرأت سے عاری ہوگا تو مقاصد امارت شرعیہ کی تنفیذ نہیں کرسکے گا، اس کے گرد خوشامد پسندوں، جی حضوری اور درباری کرنے والوں کا جمگھٹ ہوگا، جس کی وجہ سے صحیح صورت حال سے امیر شریعت کو واقفیت نہیں ہوسکے گی اور بروقت وہ فیصلہ نہیں لے سکے گا، جس کا نقصان ملت کو پہونچے گا، حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ ملت کو سب سے زیادہ نقصان خوشامد کرنے والوں نے پہونچایا ہے، اس نقصان سے بچنے کی یہی شکل ہے کہ وہ حق بولنے پر قادر ہو اور دوسروں کی حق بات سننے کا بھی اپنے اندر حوصلہ اور جذبہ رکھتا ہو، صاحب عزیمت ہونا اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ مشورہ کے بعد فیصلوں کو نافذ کرسکے، اگر اس کے اندر عزیمت نہیں ہوگی تو احکام کی تنفیذ کا کام وہ صحیح طریقہ سے نہیں کرسکے گا، تنفیذ کے لیے اس کا جری ہونا ضروری ہوگا، اگر اس کے اندر جرأت نہیں ہوگی تو وہ حکومت وقت کے سامنے ظاہری اور تھوڑے مفاد کے لیے قدم بوس ہوجائے گا، اور تعظیم اقتدار میں وہ اس قدر آگے بڑھ جائے گا کہ دستار گرنے کا بھی ہوش نہیں رہے گا، اس لیے اس کے اندر جرأت اظہار ہونی چاہیے کہ وہ ملی مسائل پر حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکے، وہ اتنا مستغنی اور بے نیاز ہو کہ حکومت کی جانب سے پھینکے گئے عہدے اور منصب کو اپنی جوتیوں کی نوک پر رکھ سکے، کیوں کہ جو لوگ اقتدار سے ذاتی نفع کے طالب ہوتے ہیں، حق بولنے کی ہمت ان میں ختم ہوجاتی ہے اور زبان لڑکھڑانے لگتی ہے، ایسے امیر سے ملت کے لیے کوئی بہتر توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ سرکاری عہدے قبول کرنے سے جو ادارے کو نقصان پہونچتا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، یہ نقصان عوامی سطح پر بھی ہوتا ہے کہ لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ عہدہ قبول کرکے ادارہ کو حکومت کے پاس گروی رکھ دیا، خود اس شخص کی ذات کو بھی نقصان پہونچتا ہے، جو کلیدی عہدے پر رہتے ہوئے سرکاری عہدیدار بن جاتا ہے۔

آخری شق میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کی ذات مایزول بہ مقصود الامارۃ سے متعلق نہ ہو، یعنی وہ فکری اعتبار سے مرتد نہ ہو، اس پر ہر وقت جنونی کیفیت طاری نہ ہو، وہ اس طرح کا قیدی نہ ہو جس کی رہائی کی امید باقی نہ رہے، وہ ایسے امراض کا شکار نہ ہو جس میں وہ سب کچھ بھول گیا ہو، وہ اندھا، بہرہ گونگا نہ ہو، وہ اس قدر معذور نہ ہوگیا ہو کہ مصالح مسلمین کے قیام اور تنفیذ پر قادر نہ ہو، ظاہر ہے اس قسم کے امراض واعذار کی شکل میں امارت شرعیہ کے اغراض ومقاصد کی تکمیل نہیں ہوسکے گی، اس کے امیر باقی رہنے یا منتخب کرلینے سے امت کا بھلا نہیں ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ امیر شریعت کی ذات ان امراض واعذار سے پاک ہو؛ تاکہ وہ پورے طور پر مقاصد امارت شرعیہ کی تکمیل کے لیے اپنی ذہنی صلاحیت اور جسمانی قوت کا استعمال کرسکے۔

اعلان مفقود الخبری

معاملہ نمبر ۲/۴۸۴/۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دار القضاء امارت شرعیہ بالاساتھ سیتامڑھی)

حضرتی خاتون بنت محمد فیروز مرحوم مقام سون پور وارڈ نمبر ۱۳، ڈاکخانہ رکسیا ضلع سیتامڑھی۔ فریق اول

بنام

محمد امتیاز ولد عبد الرزاق مقام خان پور، بہار۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دار القضاء امارت شرعیہ بالاساتھ سیتامڑھی میں غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۵/ اکتوبر ۲۰۲۱ء روز پیر بوقت ۹ر بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

جامعہ ام القریٰ للبنات

زیر اہتمام الامام ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، رجسٹرڈ 295/18

مین روڈ ہردیا، ڈاکخانہ، مٹھیابرت، تھانہ چھوڑادانو، ضلع مشرقی چمپارن (بہار) 845302

جامعہ ھٰذا ایک دینی تعلیمی ادارہ ہے جو کئی سالوں سے علاقہ کے غریب بچے اور بچیوں کو تعلیم وہنر سے آراستہ کرنے میں سرگرم عمل ہے، یہاں شعبۂ حفظ، ناظرہ، دینیات تا عربی سوم کی عمدہ تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم نیز بچیوں کے سلائی اور کٹنگ سکھانے کا بھی اچھا انتظام ہے، غریب ونادار طلبہ کی تعلیم ورہائش کا انتظام مفت میں مدرسہ کی جانب سے ہے۔ مذکورہ درجات میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ 9931213781 پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

رئیس الجامعہ

الحاج قاری علی امام واحدی

Scanned with CamScanner

طب وسائنس

شکر قند کھانے کے فائدے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے زمین پر اتاری جانے والی نعمتوں میں جہاں بے شمار نعمتیں وہیں شکر قند بھی اپنی مثال آپ ہے۔اس میں انسانی صحت کے لیے ایسے خزانے چھپے ہوئے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جائے۔

شکر قند ایک ایسی جڑ ہے جو زمین کے اندر ہوتی ہے۔دنیا بھر میں کم لیکن ہند و پاک میں بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔لذت، غذائیت اور قیمت میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ موسم سرما میں لوگ اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

شکر قند مختلف اقسام کے ساتھ ساتھ مختلف رنگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ ہر رنگ کی شکر قند اپنے اندر ایک دوسرے سے مختلف خاصیت رکھتی ہے۔ماہرین ابھی اس بات کی تہہ کو پہنچنے سے قاصر ہیں کہ شکر قند کوئی پھل ہے یا سبزی، لیکن اس کے فوائد سے کسی کو انکار نہیں۔

شکر قند ساخت کے اعتبار سے آلو کی طرح نظر آتی ہے لیکن توانائی اور فوائد کے لحاظ سے یہ آلو کی افادیت کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔اس کو کھانے کے مختلف طریقے ہیں جن میں راکھ میں بھون کر، ابال کر اور اس کا میٹھا بنا کر کھانا عام ہے۔

شکر قند میں نشاستہ اور شکر پائی جاتی ہے بلکہ یہ دونوں اجزا انسانی صحت کے لیے بہت ضروری ہیں اور شکر قند ان کو حاصل کرنے کا نہایت سستا ذریعہ ہے۔

شکر قند میں پائے جانے والے اجزا

نشاستہ اور شکر کے علاوہ شکر قند میں وٹامن اے کی بھی بڑی مقدار پائی جاتی ہے جب کہ فولاد اور اس کے علاوہ بعض اہم معدنی اجزا بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔شکر قند دوسرے وٹامنز، منرلز، اینٹی آکسائیڈنٹس اور فائبر سے بھرپور ہوتی ہیں۔

سردی میں شکر قند کے فوائد

☆ شکر قند جسم میں حرارت پیدا کرتی ہے جس سے سردی کم لگتی ہے اور اکثر بہت زیادہ سردی میں دانت بجنا بھی کم ہو جاتے ہیں۔

☆ سردیوں میں شکر قند کھانے سے جسم فربہ اور خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔

☆ نزلے اور زکام خاص طور پر موسم سرما میں شکر قند ان سے دشمن کی طرح لڑتی ہے۔

☆ شکر قند میں پائے جانے والے کچھ اجزا ایسے بھی ہیں جو جلد کے لیے مفید ہیں، یہی وجہ ہے کہ موسم سرما میں خشک ہوائیں جلد کو بے رونق بنا دیتی ہیں اور ایسے میں شکر قند کا استعمال جلد کو نرم و ملائم رکھتا ہے اور اس میں چمک پیدا کرتا ہے۔

☆ شکر قند نظام ہاضمہ کو بہتر بناتی ہے اور خون بناتی ہے جس سے چہرے پر سرخی ظاہر ہوتی ہے۔

☆ راکھ میں دبا کر یا ابال کر کھانے سے سردیوں کے موسم میں شکر قند حیرت انگیز فائدے پہنچاتی ہے،جسم کو متوازن رکھتی ہے۔

☆ موسم سرما میں بھوک زیادہ لگتی ہے اور بار بار کھانا ممکن نہیں ہوتا،ایسے میں غذائیت سے بھرپور شکر قند جسم کو تقویت پہنچاتی ہے اور بھوک کا احساس کچھ وقت کے لیے مٹا دیتی ہے۔

☆ شکر قند کا حلوہ موسم سرما میں کپکپی کو دور کرتا ہے۔

شکر قند کے دیگر فوائد

☆ شکر قند جسم کو موٹا کرتی ہے اور اندر سے مضبوط بناتی ہے۔

☆ مردوں کے لیے نہایت مفید اور طاقتور شمار کی جاتی ہے۔

☆ شکر قند دماغ کو تقویت پہنچاتی ہے اور ذہنی صلاحیت کو بڑھاتی ہے۔

☆ شکر قند کی کھیر بھی طاقت کا خزانہ ہے خاص طور پر قوت باہ میں اضافے کا سبب ہے۔

☆ بچے کی پیدائش کے بعد خواتین اگر شکر قند کا استعمال کریں تو طاقت بحال ہو جاتی ہے۔

☆ شکر قند جسم میں خون کی کمی کو ختم کرتی ہے اور جسم کو لاغر ہونے سے بچاتی ہے۔

☆ شکر قند میں ایسے اینٹی آکسیڈینٹس پائے جاتے ہیں جو کینسر جیسی جان لیوا بیماری سے لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

☆ اس کے استعمال سے بینائی میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ شکر قند جسم کے مدافعتی نظام کو مضبوط بناتی ہے۔

☆ شکر قند کا استعمال معدے کے ورم کو کم کرتا ہے اور جسم کو سوجن سے بچاتا ہے۔

شکر قند کھانے میں احتیاطی تدابیر

☆ شکر قند کو ہمیشہ چھیل کر کھائیں چھلکے سمیت کھانے سے اس سے فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

☆ یہ دیر سے ہضم ہوتی ہے اس لیے اسے نمک یا کالی مرچ کے ساتھ کھائیں۔

☆ شوگر کے مریض شکر قند کھانے میں احتیاط سے کام لیں۔

☆ امراض قلب میں مبتلا افراد کو بھی شکر قند کھانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

☆ شکر قند کھانے کے بعد اگر سونف کا استعمال کیا جائے تو اس کے منفی اور مضر اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔

ہفتۂ رفتہ

راشد العزیری ندوی

محبت واتحاد کے داعی حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی کی گرفتاری افسوس ناک: نائب امیر شریعت

ملک کے مشہور عالم دین اتحاد و محبت کے داعی مولانا محمد کلیم صدیقی کی اتر پردیش اے ٹی ایس کے ذریعہ گرفتاری اور ان کو عدالتی تحویل میں بھیجے جانے پر پورے ملک کی عوام میں غم و غصہ ہے۔امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب نے اس گرفتاری پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا پر جبراً تبدیلیٔ مذہب کا الزام غلط ہے،مولانا نے ہمیشہ محبت،اتحاد اور بھائی چارے کی دعوت دی ہے۔ملک کے ہر طبقہ میں انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے،انہوں نے خود اپنی مرضی سے بلا کسی جبر و دباؤ اور لالچ کے اپنے ضمیر کی آواز پر،اسلامی تعلیمات اور مولانا کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر اسلام کو اپنایا ہے۔اس لیے جبری تبدیلیٔ مذہب کا الزام لگا کر بی جے پی اتر پردیش کے انتخابی ماحول کو گرم کرنا اور سیاسی فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔واضح ہو کہ ۲۱/ستمبر کو مولانا اپنے کچھ رفقاء کے ساتھ ایک نجی پروگرام میں میرٹھ آئے تھے، وہیں سے واپسی پر انہیں اے ٹی ایس نے گرفتار کر لیا۔پولیس کے ذریعہ عدالت میں ان کو ریمانڈ پر لینے کی درخواست کی گئی تھی، جسے عدالت نے فی الحال مسترد کر دیا ہے اور انہیں چودہ دنوں کے لئے عدالتی تحویل میں بھیج دیا ہے۔حضرت نائب امیر شریعت نے اپنے بیان میں کہا کہ ہندوستان کے آئین نے یہاں رہنے والے تمام شہریوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے اور اس کے تعلیمات کو عام کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ کوئی قانونی جرم نہیں ہے۔مولانا کلیم صدیقی نے ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کی بات کی ہے، بین المذاہب دوریوں کو ختم کرنے میں مولانا کی کوششیں قابل ستائش ہیں،سرکاری تفتیشی ایجنسیوں کا ناجائز استعمال کر کے ایسی شخصیتوں پر شکنجہ کسنا اتحاد اور بھائی چارے کی کوششوں کو بڑا نقصان پہونچانے والا عمل ہے۔حکومت کو اس سے باز رہنا چاہئے۔غلط طریقہ سے مذہبی شخصیات کو پریشان کرنے کی روش اپنانے والی یوپی پولیس کی سخت سرزنش کرنی چاہیے۔

قانون سے غیر آئینی دفعات کو ہٹانے کی درخواست پر غور کریں: ہائی کورٹ

دہلی ہائی کورٹ نے مرکز کو ہدایت دی کہ وہ قانون کی ان دفعات کو ہٹانے کی درخواست پر غور کریں جسے غیر آئینی قرار دیا گیا ہے۔چیف جسٹس ڈی این پٹیل اور جسٹس امیت بنسل نے کہا کہ درخواست پر جلد از جلد غور کیا جانا چاہیے۔عدالت ایک درخواست پر سماعت کر رہی تھی جس میں مرکز سے ان دفعات کو ہٹانے کی ہدایت دی گئی تھی جنہیں غیر آئینی قرار دیا گیا ہے۔ان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی ایکٹ کی دفعہ 66اے(مواصلاتی خدمات کے ذریعے توہین آمیز پیغامات بھیجنے کی سزا) بھی شامل ہے۔وکیل اور درخواست گزار انشل بجاج نے اس درخواست میں کہا ہے کہ سپریم کورٹ نے فوجداری قانون کی کئی دفعات کو ختم کر دیا ہے لیکن پولیس افسران اب بھی ان کا استعمال کر رہے ہیں،اسے ملک بھر کی پولیس اور ٹرائل کورٹس استعمال کر رہی ہیں، جسے سپریم کورٹ نے ختم کر دیا ہے۔درخواست گزار نے کہا کہ اس نے 25اگست کو اس سلسلے میں حکام کو درخواست دی تھی لیکن ابھی تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

سرکاری ملازم اپنی ملازمت کے آخری مرحلے میں تاریخ پیدائش نہیں بدل سکتے: سپریم کورٹ

سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ ایک سرکاری ملازم کی تاریخ پیدائش میں تبدیلی کی درخواست کو حق کا معاملہ نہیں بنایا جا سکتا۔کیریئر کے انتہائی اختتام پر بھی ایسی درخواست کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔جسٹس ایم آر شاہ اور جسٹس اے ایس بوپنا کی بنچ نے کرناٹک رورل انفراسٹرکچر ڈویلپمنٹ لمیٹڈ کی جانب سے ملازمین کی پیدائش کی تاریخ میں تبدیلی کے ہائی کورٹ کے حکم کے خلاف دائر اپیل کی اجازت دی۔اس کے مطابق نوکری شروع کرنے کے پہلے تین سال کے اندر تاریخ پیدائش میں تبدیلی کے لیے درخواست دی جا سکتی ہے۔یا ایکٹ کے آغاز سے ایک سال کے اندر۔اس معاملے میں، عدالت نے کارپوریشن کی جانب سے سینئر ایڈوکیٹ گروداس ایس کنور، اور ایڈوکیٹ چمے دیش پانڈے اور انیرودھ سنگانیریا کی جانب سے پیش کرنے پر اتفاق کیا۔

عدالت کی ہدایت کے مطابق حکومتی طریقہ کار پر عمل کرنا ہوگا: سپریم کورٹ

عدالت کی ہدایات کے مطابق حکومتی طریقہ کار کو چلنا پڑے گا۔سپریم کورٹ نے کیرالا حکام کو سرزنش کرتے ہوئے یہ بات کہی۔سپریم کورٹ نے 28 سال سے جیل میں بند دو سزا یافتہ قیدیوں کی قبل از وقت رہائی کی تجویز پر فیصلہ نہ کرنے پر کی ان سرزنش کی ہے۔سپریم کورٹ نے اس معاملے میں پہلے حکم کے باوجود فیصلہ کرنے میں مجاز اتھارٹی کی ناکامی پر برہمی کا اظہار کیا اور حکم دیا کہ جعلی شراب کے تقریباً تین دہائی پرانے کیس میں عمر قید کی سزا کاٹ رہے دونوں کو فوری طور پر ضمانت پر رہا کیا جائے۔اس شراب سانحہ میں 31 افراد ہلاک ہوئے تھے۔جسٹس اے ایم خانولکر، جسٹس دنیش مہیشوری اور جسٹس سی ٹی روی کمار کی تین ججوں کی بنچ نے کیرالہ کی طرف سے پیش ہوئے وکیل کی طرف سے بتایا کہ اس عمل کو مکمل کرنے کیلئے کچھ اور وقت درکار ہے۔بنچ نے کہا کہ مجرمین 28 سال سے زائد عرصے سے جیل میں ہیں اور سپریم کورٹ نے پہلے ہی ریاستی حکومت کو اس حوالے سے فیصلہ کرنے کا وقت دیا تھا۔بنچ نے کہا کہ حکومتی عمل کو عدالت کے فیصلوں کے مطابق کیا جائے۔

Volume:61/71,Issue:38 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF, PATNA-801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو
(مخدوم محی الدین)

انصاف میں ہو دیر تو انصاف کہاں کا؟

اے- رحمان

مہذب معاشرے میں انصاف کا تصور عام شہری کے حقوق کی پاسداری سے عبارت ہے، ان حقوق کی کسی بھی زاوے سے پامالی کا ازالہ عدالت سے ہوتا ہے، لہذا جمہوری نظام میں آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ کی ہی حیثیت ہے جو گاڑی میں پہیوں کی طرح ہے جن کے بغیر گاڑی ایک بے جان، بے عمل، بے حرکت اور بے مصرف ڈھانچے کے سوا کچھ نہیں، لیکن عدالتوں کے ذریعے انصاف مہیا کئے جانے کا جو عمل متعین کیا گیا ہے اس سے وابستہ سب سے بڑی اور کڑی شرط ہے تعجیل، یعنی کم سے کم وقت میں پورا انصاف، فلسفۂ قانون کہتا ہے ''انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار ہے'' جہاں تک انصاف کے بنیادی اور آفاقی طور سے مقبول تصور کا تعلق ہے ہمارے ملک میں اس پر مبنی مثالی قوانین اور ضابطے موجود ہیں، لیکن بد قسمتی سے انصاف کا حصول ابتدا سے ہی وقت طلب، دقت طلب اور انتہائی حد تک صبر آزما رہا اور گذرتے وقت کے ساتھ یہ صورت حال بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہوتی چلی گئی ہے، حالت یہ ہے کہ دیوانی مقدمات میں فریقین میں سے کوئی ایک یا کبھی کبھی دونوں ہی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور فوجداری مقدمات کی کیفیت بھی اب زیادہ مختلف نہیں رہی، حال ہی میں جے پور جیل سے پانچ ایسے ملزمان رہا ہوئے ہیں جنہیں تیس سال پہلے ایک دہشت گردی کے مقدمے میں ماخوذ کیا گیا تھا اور اب اس طویل مدت کے بعد متعلقہ عدالت نے انہیں بے قصور قرار دے کر باعزت بری کیا ہے، لیکن کیا ایسا کوئی میکیزم یا طریقہ ہے جو ان لوگوں کو ان کی زندگی کے وہ تیس برباد شدہ سال واپس لوٹا سکے؟ اس قسم کے سینکڑوں واقعات اور ان کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، سیاسی عتاب یا حکومت کی کاروائی سے قطع نظر ایسے اندوہناک معاملات کا واحد سبب ہے، ہمارا انتہائی سست رو عدالتی نظام، ان خصوصی قوانین (جیسے انسداد قانون مخالف سرگرمی ایکٹ یعنی UAPA) جن میں دوران مقدمہ ضمانت پر رہائی تقریباً ناممکن ہے کے علاوہ عام تعزیری قوانین کے تحت درج مقدمات کی سماعت ابھی چیونٹی کی رفتار سے چلتی ہے اور بعض ملزمان تو جیل میں اس سے بھی طویل عرصہ گذار دیتے ہیں جتنا وہ مجرم قرار دئے جانے کی صورت میں سزا کے طور پر گذارتے، عدالتوں کی یہ سست روی ابتدا سے موجود ہی تھی مگر کووڈ ۱۹ کے سبب ہوئے لاک ڈاؤن نے صورتِ حال کو بالکل ہی دگرگوں کر دیا، جہاں لاک ڈاؤن سے قبل پورے ملک کی زیریں عدالتوں میں زیر سماعت چل رہے زیر التوا مقدمات کی تعداد تین کروڑ تھی وہاں اب یہ تعداد چار کروڑ سے بھی متجاوز ہے، اس کے علاوہ سپریم کورٹ میں ستر ہزار معاملات معرض التوا میں (Pending) پڑے ہیں اور ملک کے تمام پچیس ہائی کورٹس میں یہ تعداد ساڑھے چھپن لاکھ کے قریب ہے، یہ اعداد و شمار محض اعداد شمار نہیں، بلکہ انصاف اور جمہوریت کے مستقبل کیلئے خطرے کی گھنٹی سمجھے جانے چاہئے، لاک ڈاؤن کے دوران یہ تو ضرور ہوا کہ آن لائن مقدمہ فائل کرنے سے لے کر کورٹ فیس وغیرہ جمع کرانے تک کی سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن عوام کی بات تو دور ابھی تمام وکلا بھی جدید ٹیکنالوجی سے پورے طور پر مستفیض ہونے یا اسے پیشہ ورانہ مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی استعداد نہیں رکھتے، اور ابھی عدالتیں تقریباً لاک ڈاؤن سے متاثر ہی ہیں یعنی پورے طور پر اصالتاً وکیل حاضر ہو رہے ہیں، نہ جج اور مدعیان، ملک کے بعض حصوں میں تو عدالتی کام کاج ابھی مکمل طور سے معطل ہے، لیکن مقدمات خصوصاً کاروباری مناقشے اور مجرمانہ یعنی فوجداری مقدمات تو اپنی رفتار سے بڑھتے جائیں گے لہذا مزید ڈیڑھ سال بعد کی صورت حال کے بارے میں تو سوچ کر ہی ہول آتا ہے۔

عدالتوں کی سست روی اور انصاف میں تاخیر کے دو بڑے اسباب ہیں، مقدمات کی کاروائی کا غیر ضروری التوا اور عدالتوں میں جج حضرات کی قلت، عدالتوں یعنی ججوں کی تعداد آبادی اور مقدمات کی اوسط تعداد کو دیکھ کر متعین کی جاتی ہے، لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ پورے ملک میں کہیں بھی ججوں کی مطلوبہ تعداد نہیں ہوتی جس کے لئے ہر لحاظ سے حکومت ذمہ دار ہے، صرف ہائی کورٹ کو دیکھا جائے تو تمام ہائی کورٹوں میں پچھلے دس سال سے چار سو چھپن عہدے خالی پڑے ہیں جن پر تقررات فوری طور سے کئے جا سکتے ہیں لیکن نہیں کئے جاتے بڑے شہروں کی عدالتوں میں ججوں کی قلت کا حال تو یہ ہے کہ ایک ایک جج کے سامنے روز ساٹھ سے اسی مقدمے درج فہرست ہوتے ہیں جن کو سرسری طور سے زیر غور لانا بھی ایک دن یعنی کام کے آٹھ گھنٹوں میں ممکن نہیں، دوسری جانب وکلا حضرات معمولی معمولی بہانوں سے ان مقدمات میں بھی ''تاریخ'' لے لیتے ہیں جن کی خاطر خواہ سماعت ہو سکتی ہے اور یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے، سپریم کورٹ نے بار بار ''تاریخ لینے'' کے عام فعل قبیح پر وکیلوں کی سرزنش بھی کی ہے اور اس ناپسندیدہ عمل کو غیر اصولی قرار دے کر ختم کرنے کی کوشش بھی کی ہے مگر لاحاصل ہے، کبھی کبھی خود فریقین یا کوئی ایک فریق ضرورتاً یا شرارتاً وکیل کے ذریعے مقدمے کو اپنی ذاتی وجوہات کے تحت طول دینا چاہتا ہے اور بلا جواز تاریخ پر تاریخ پڑتی رہتی ہے، انصاف کے حصول میں حارج کچھ دیگر عوامل ہیں عدالتی نظام میں سیاسی مداخلت اور بعض سطحوں پر بدعنوانیاں، مجموعی صورتِ حال کا جائزہ لے کر یہ افسوسناک صورت حال سامنے آتی ہے کہ ہم انصاف سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور بہت جلد وہ وقت آ سکتا ہے جب انصاف کا تصور محض تصور ہی رہ جائے، کووڈ ۱۹ سے ابھی پوری طرح چھٹکارا نہیں ہوا ہے اور نہ جانے یہ مصیبت اور کب تک جاری رہے، لیکن اگر عدالتوں کی کمی دور کر کے بلکہ مطلوبہ تعداد سے زائد ججوں کا تقرر کر کے التوا میں پڑے ہوئے معاملات کا جلد سے جلد نپٹارا کرنے کی کوشش کی جائے تو کم از کم اس دھماکہ خیز صورت حال سے بچنے کا راستہ نکل سکتا ہے، جو آج سے دو سال بعد پیش آنے والی ہے، یعنی اگر موجودہ حالات کا تسلسل مع کووڈ ۱۹ قائم رہا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا انصاف، سماجی ہو یا عدالتی، جمہوریت کی روح ہے اور اس کے فقدان میں نہ صرف جمہوریت کی ناکامی سامنے آتی ہے، بلکہ معاشرے کی مکمل خرابی اور سیاسی نظام کے انہدام کا خطرہ پیدا ہوتا ہے، انصاف کا حصول اور اس کے حصول کا یقین ہی فرد کو وہ ذہنی اطمینان عطا کرتا ہے جو ایک صحت مند معاشرے کی ضمانت ہے۔

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائیل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168

Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233

رابطہ اور واٹس اَپ نمبر Mobile: 9576507798

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ نقیب کے آفیشل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(منیجر نقیب)

اشتہارات کے لئے رابطہ کریں

ہفتہ وار نقیب امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کا ترجمان ہے جو تقریباً سو سالوں سے مسلسل شائع ہو رہا ہے، اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ملک و بیرون ملک میں قارئین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اس کی عمدہ طباعت، معیاری مضامین اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں، ادارہ قارئین نقیب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے

مدارس، اسکول، کالج، ہاسپیٹل، میڈیکل اور دکان وغیرہ کے لئے رعایتی قیمت پر غیر تصویری اشتہارات
(Advertisements)

دے کر اپنے ادارہ اور کاروبار کو فروغ دے سکتے ہیں، نیز ادارہ نقیب کے اعزازی ممبران سے بھی درخواست کرتا ہے کہ وہ نقیب کی اشاعت میں مالی مدد کریں۔ ضروری معلومات کے لیے رابطہ کریں:
9576507798,8405997542 Email:.naqueeb.imarat@gmail.com

(منیجر نقیب)

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna-06 # 9473371988

Scanned with CamScanner